سہ ماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیمان

اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء

خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف (اٹک)

حامداً و مصلیاً

ما ورد سحر بر در میخانه نهادیم   اوقات دعا بر در جانانه نهادیم

این کتاب مسمی بتذکرة المحبوب که مشحون است
بمناقب قدوة العارفین فخر العاشقین
فرد المحبوبین شیخ المشائخ حضرت
خواجه زین الحق والدین مکھڈیا
قدس الله سره العزیز بسنه ۱۳
سیزده صد و شش از ہجریا
تکذفا ابتذکرته موقف
گردید ۱۲
الحمد
لله

"تذکرة المحبوب" مصنفہ: حضرت مولانا عبدالنبی بھوئی گاڑوی کی تحریر ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء کا عکس جمیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سہ ماہی مجلہ

اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۶ء

قندیلِ سلیمان

مکھڈ شریف (اٹک)

ہدیہ سالانہ پانچ سو روپے

فی شمارہ 150 روپے

سرکولیشن منیجر: فدا حسین ہاشمی 0346-8506343　سرورق اینڈ کمپوزنگ: یاسر اقبال، اسلام آباد　تصاویر: محمد زاہد محمود

پرنٹرز/ پبلشرز:۔ نظامیہ دارالاشاعت خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی، مکھڈ شریف، (اٹک)

0334-8506343
sajidnizami92@yahoo.com :ای میل

فہرستِ مندرجات

گوشۂ عقیدت:

خیابانِ مضامین:

حدیقۂ شریعت:

صلی اللہ علیہ وسلم

اداریہ

خلیل اللہ نے جس کے لیے حق سے دعائیں کیں ذبیح اللہ نے وقتِ ذبح جس کی التجائیں کی

جو بن کر روشنی پھر دیدۂ یعقوب میں آیا جسے یوسف نے اپنے حسن کے نیرنگ میں پایا

کلیم اللہ کا دل روشن ہوا جس ضوفشانی سے وہ جس کی آرزو بھڑکی جواب لَنْ تَرَانِیْ سے

وہ جس کے نام سے داؤد نے نغمہ سرائی کی وہ جس کی یاد میں شاہِ سلیماں نے گدائی کی

دلِ یحییٰ میں ارماں رہ گئے جس کی زیارت کے لبِ عیسیٰ پہ آئے وعظ جس کی شانِ رحمت کے

وہ دِن آیا کہ پورے ہو گئے تورات کے وعدے

خدا نے آج ایفاء کر دیے ہر بات کے وعدے

مرادیں بھر کے دامن میں مناجاتِ زبور آئی اُمیدوں کی سحر پڑھتی ہوئی آیاتِ نور آئی

نظر آئی بالآخر معنیٔ انجیل کی صورت ودیعت ہوگئی انسان کی تکمیل کی صورت

اندھیری رات کے پردے سے کی حق نے سحر پیدا ہوابہر صورت کحل مازاغ البصر پیدا

ربیع الاوّل اُمیدوں کی دُنیا ساتھ لے آیا دعاؤں کی قبولیت کو ہاتھوں ہاتھ لے آیا

خدا نے ناخدائی کی خود انسانی سفینے کی کہ رحمت بن کے چھائی بارھویں شب اس مہینے کی

ازل کے روز جس کی دھوم تھی وہ آج کی شب تھی جو قسمت کے لیے مقسوم تھی وہ آج کی شب تھی

ربیع النور کا چاند تمام تر رعنائیوں کے ساتھ ہم پر طلوع ہو چکا ہے۔ اللہ کرے اس کی تابنا کیوں سے ہم اپنے تاریک دِلوں کو روشن کر سکیں۔ حضور سرورِ کائنات کی سیرت کو اپنا کر آپ کے ساتھ اپنی نسبت اور تعلق کو مزید پختہ کر سکیں۔

O

۸۔ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ بروز منگل کو نابغۂ روزگار شخصیت حضرت مولانا غلام محی الدین احمدؒ کا یوم وصال تھا۔ یوں ۸۔ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ آپ کے وصال کو ایک صدی ہونے کو ہے۔ آپ کا شمار اپنے وقت کے جید علما میں ہوتا تھا۔ آپ حضرت مولانا زین الحق والدین معروف بہ زینت الاولیا خلیفہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈی [م۔۱۲۵۳ھ] کے نواسے تھے۔

مولانا غلام محی الدین احمد کی ولادت ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۸ء کو ہوئی۔ نوجوانی ہی میں والدین کا سایہ اُٹھ گیا۔ بعدازیں اپنے نانا کریم حضرت زین الحق والدینؒ [م۔۱۲۹۵ھ] کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ جب ۲۰ سال کے ہوئے تو یہ سایہ بھی بحکم ربی اُٹھ گیا۔ اس وقت آپ اپنے برادرِ اصغر مولانا شمس الدین [م۔۱۳۳۰ھ] کے ساتھ موضع بھو [فتح جنگ] میں مولوی محمد قاسمؒ کے ہاں تدریس میں مشغول تھے۔ ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء میں سندِ فراغت حاصل کرکے آپ اپنے نانا کریمؒ کی مسند پر تشریف فرما ہوئے۔ آپ کو حضرت خواجہ اللہ بخش غریب نواز تونسویؒ [م۔۱۹۰۱ء] نے خلافت عطا فرمائی۔ حضرت اللہ بخش غریب نواز تونسویؒ آپ پر خصوصی نظر کرم فرماتے۔ آپؒ جہاں بھی تشریف لے جاتے ضرور خط کے ذریعے مطلع فرماتے۔ ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۲ء میں حضرت اللہ بخش غریب نوازؒ کے ساتھ حج بیت اللہ اور حاضریٔ رسول کے لیے حاضر ہوئے۔ یہ سفر چھ ماہ کا تھا۔ آپ تینتالیس۔۴۳ سال مسندِ ارشاد پر متمکن رہے۔ آپ کے عہد میں نہ صرف کتب خانہ کی نئی عمارت تعمیر کی گئی بلکہ کتب کا ایک عظیم ذخیرہ بھی جمع ہوا؛ علاوہ ازیں طلبا کے لیے رہائشی کمرے، مسجد و تالاب کی تعمیرِ نو اور دیگر عمارات شامل ہیں۔ کابل وقندھار اور سمرقند و بخارا کے طلبا بھی اپنی علمی پیاس بجھانے اس چشمۂ فیض پر حاضر ہوتے۔ قریباً نصف صدی تک یہ آفتاب اپنی ضیاپاشیوں سے ایک عالم کو منور کرتا رہا۔

O

''قندیلِ سلیماں'' کی پندرھویں اشاعت ''جولائی تا ستمبر ۲۰۱۷ء'' میں خصوصی طور پر ''حضرت مولانا غلام محی الدین احمدؒ'' کے احوال و آثار، ملفوظات، مکاتیب، اشاعتِ اسلام کے لیے آپ کی تبلیغی کاوشوں پر مشتمل مضامین شامل کیے جائیں گے۔ اہلِ قلم اس سلسلہ میں اپنی تحریریں ماہِ اپریل کی ۳۰ تاریخ تک ارسال فرمادیں۔

مدیر

حمدِ باری تعالیٰ

پیر سید نصیر الدین نصؔیر

اِسی باعث قلم سے وصف کرتے ہیں رقم تیرا
نہایت پُر خطا ہیں ، نام لیں کس مُنہ سے ہم تیرا
یہ ماضی، حال ، مستقبل فقط کہنے کو ہیں میرے
ازل تیرا ، ابد تیرا ، یہ موجود و عدم تیرا
الہُ العالمیں تُو ہے ، بشر تیرے ، مَلک تیرے
زمیں تیری ، فلک تیرا ، عرب تیرا ، عجم تیرا
بجز تیرے نہیں کوئی بھی میرا دین و دنیا میں
دو عالم میں سہارا ہے مجھے تیری قَسَم ، تیرا
کسی کے حُسنِ نا دیدہ کی جانب اِک اشارہ ہے
گلستاں میں یہ اِک جھونکا نسیمِ صبح دم تیرا
ترے ہونے کو ثابت کررہا ہے جُھومنا اِس کا
زمیں پر ہے شجر کے رُوپ میں جُنباں علَم تیرا
بھلا مایوس کیوں لَوٹے نصؔیر بے نوا یارب !
کُھلا ہے جب گدا و شاہ پر بابِ کرم تیرا

☆☆☆☆☆

نعت بحضور سرورِ کائنات ﷺ

بیدلؔ پشاوری چشتی نظامی میروی

میرا حامی وہ شاہِ ذی حشم ہے
جو فخرِ انبیا خیر الامم ہے

سرِ افلاک پر خورشیدِ انور
تمھارا یانبی نقشِ قدم ہے

خبر لو جلد اے رشکِ مسیحا
کہ اِس بیمار کا آنکھوں میں دَم ہے

بلا لو آستانے پر بلا لو!
پڑا ہوں دور ، دِل کو سخت غم ہے

خدا کے فضل سے ہر اُمتی پر
رسول اللہ کا لطف و کرم ہے

عرب میں ہے نبی کی بادشاہی
وہی شہنشۂ ملکِ عجم ہے

رواں ہے نعتِ احمد میں جو ہر دَم
وہ اے بیدلؔ ہمارا ہی قلم ہے

☆☆☆☆☆

سرمایۂ الہام

کلام: بابا فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ

منظوم اُردو ترجمہ: ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

(۱)

کندھی ویہن نہ ڈھا ، تُوں بھی لیکھا دیونا
جدھر رب رضا ، وہن تداؤں گو کرے

☆

آبِ رواں مت کاٹ کنارے ، اپنے آپ میں رہ
جس جانب ہے رب کی رضا ، تو، اس جانب کو بہہ

(۲)

کاگا چُونڈ نہ پنجرا ، بسے تاں اُڈر جا
جت پنجرے میرا شوہ وسے ماس نہ تدوں کھا

☆

کاگا دیکھ نہ نوچ بدن کو ، دُور کہیں اُڑ جا
بدن میں ساجن کا ڈیرا ہے ، اس کا گوشت نہ کھا

(۳)

پاڑ پٹولا دھج کری ، کمبلڑی پہریو
جنھیں ویسیں شوہ ملے ، سے ای ویس کریو

☆

فریدا! یہ جامۂ ریشم پھاڑ دے ، پہن فقیری کملی
جس کو پہن کے سائیں ملے ہے وہ پوشاک بھلی

(۴)

فریدا گلییں چکڑ ، دُور گھر ، نال پیارے نینہہ
چلاں تاں بھجے کمبلی ، رہاں تاں ٹٹے نینہہ

☆

فرید ہے گلی میں ہر سو کیچڑ ، دُور مقامِ یار
جاؤں ہووے کمبل گیلا، ٹھہروں، ٹوٹے پیار

(۵)

فریدا میں بھولاوا پگ دا ، مت میلی ہو جاءِ
گہلا روح نہ جان ای ، سر بھی مٹی کھاءِ

☆

فرید ہمیشہ کُلاہ کو اپنی ، دھول سے رکھے پاک
بے چارے کو علم نہیں ہے سر بھی ہوگا خاک

☆☆☆☆☆

سُراغِ منزلِ مقصد ، زِ خاکساراں پُرس
کسے چو جادہ ، دریں دَشت راہبر نبُود!

[ابوالمعانی مرزا عبدالقادر بیدلؔ]

نشانِ منزلِ مقصود پُوچھو، خاکساروں سے
کوئی رَستے سے بہتر رہبرِ منزل نہیں ہوتا!

[ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد]

منقبت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

مولانا شاہ ضیاء القادری

رفیقِ خواجہ ٔ بندہ نواز قطب الدینؒ　　شفیقِ حلقہ ٔ اہلِ نیاز قطب الدینؒ

شہید عشقِ حسینِ حجاز قطب الدینؒ　　نیازمند درِ بے نیاز قطب الدینؒ

امام انجمنِ زاہدانِ شب بیدار　　مُدام وقفِ سجود و نماز قطب الدینؒ

ہے بختیار و مبارک وجودِ پاک حضورؒ　　ہیں پیکرِ شرف و امتیاز قطب الدینؒ

ہیں آپ کے دُرِ یکتا فرید گنجِ شکر　　ہیں آپ نائبِ بندہ نواز قطب الدینؒ

ہیں آپ جوہرِ آئینۂ حقیقتِ ذات　　نثار آپ پہ حُسنِ مجاز قطب الدینؒ

تمہاری زلفِ مسلسل کا آئینہ بردار　　وقارِ حضرتِ گیسو دراز قطب الدینؒ

ہیں چشت و سنجر و بغداد کربلا و نجف　　تمہارے مرکزِ اعزاز و ناز قطب الدینؒ

ہیں آپ مسندِ سلطانِ ہند کے وارث　　دیارِ ہند میں ہیں سرفراز قطب الدینؒ

ستم رسیدوں غریبوں کے دَردِ دل کی دوا　　اَلم نصیبوں کے تم چارہ سَاز قطب الدینؒ

ترے غلاموں پہ دلی کی تنگ ہیں گلیاں　　مِٹا انھیں جو ہیں فتنہ طراز قطب الدینؒ

خلافِ ملت بر حق خلافِ اہلِ وفا　　جفا سرشتوں میں ہے ساز و باز قطب الدینؒ

ہیں جو مخالف اوقاف اَولیائے کرام　　شکست یاب ہوں سب فتنہ ساز قطب الدینؒ

بحقِ خواجۂ چشتؒ و بحقِ گنجِ شکرؒ　　اِدھر بھی ہو نگہِ نیم باز قطب الدینؒ

صدائے نغمۂ وحدت پہ جان تک دے دی تھے اِک مرقعٔ سوز و گداز قطب الدینؒ

شرابِ چشت لُٹا تشنہ کام رندوں میں مُدام رکھ درِ مےخانہ باز قطب الدینؒ

زیارتِ درِ محبوب کے بہانے سے نکلا ضیاؔ کو بشکلِ ایاز قطب الدینؒ

☆☆☆☆☆

''قندیلِ سلیماں'' کی پندرھویں اشاعت ''جولائی تا ستمبر ۲۰۱۷ء'' میں خصوصی طور پر ''حضرت مولانا غلام محی الدین احمدؒ'' کے احوال و آثار، ملفوظات، مکاتیب، اشاعتِ اسلام کے لیے آپ کی تبلیغی کاوشوں پر مشتمل مضامین شامل کیے جائیں گے۔ اہلِ قلم اس سلسلہ میں اپنی تحریریں ماہِ اپریل کی ۳۰ تاریخ تک ارسال فرما دیں۔

خلفائے راشدین کے باہمی تعلقات اور محبتیں

علامہ قاری سعید احمد☆

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دستر خوان کے لیے حکم فرمایا اور دستر خوان مسجد میں بچھائے گئے۔ سب سے پہلے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کہا اے امیر المؤمنین مالِ غنیمت سے میرا حصّہ دیجیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فراخی کی دعا دی اور ان کے لیے ایک ہزار کا حکم دیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا "اے امیر المؤمنین مالِ غنیمت سے میرا حصّہ دیجیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی دعا دی اور ان کے لیے بھی ایک ہزار کا حکم فرمایا۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ واپس تشریف لے گئے اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ آئے اور کہا اے امیر المومنین: مالِ غنیمت سے میرا حصّہ دیجیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو بھی دُعا دی اور ان کے لیے پانچ سو کا حکم فرمایا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے وجہِ ترجیح پوچھی کہ حسنین کریمین کو ایک ایک ہزار کا حکم فرمایا اور میرے لیے پانچ سو کا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں دیے۔ تو بھی جا کر ان جیسے ماں باپ ان جیسے نانا و نانی، ان جیسے چچا اور پھوپھی ان جیسے ماموں و خالہ لا، تو تجھے بھی ایک ہزار مل جائیں گے؛ اور تو ہرگز نہیں لاسکتا۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے باپ ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کی ماں اور محمد ﷺ ان کے نانا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اُن کی نانی ہیں، حضرت جعفر ان کے چچا تھے اور حضرت اُمّ ہانی ان کی پھوپھی اور حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن کے ماموں اور حضور ﷺ کی صاحبزادیاں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی

☆ مدرس جامعہ زینت الاسلام، ترگ شریف، تحصیل عیسیٰ خیل، ضلع میانوالی

اللہ عنہا اُن کی خالہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ سُنا تو کہنے لگے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے عمر بن خطاب اہلِ جنت کے چراغ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو کچھ صحابہ کو لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا کہ عمر بن خطاب اہلِ جنت کا چراغ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "ہاں" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے ایک رقعہ لکھ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر آپ کو لکھ کر دی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم . ھٰذاما ضمن علی بن ابی طالب لعمر بن الخطاب عن رسول اللہ ﷺ عن جبر یل عن اللہ عزوجل اَنّ عمربن الخطاب سراج اھل الجنۃ فی الجنۃ .

ترجمہ: یہ وہ معاہدہ ہے جو علی بن ابی طالب نے عمر بن خطاب سے کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بہ واسطہ جبرائیل کے رب العزت والجلال کا یہ ارشاد بیان فرمایا ہے کہ عمر بن الخطاب اہلِ جنت کا چراغ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پرچہ کو لیا اور اپنے کسی صاحبزادہ کو دے کر فرمایا: میرے مرنے کے بعد جب غسل وکفن وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ تو اس کو میرے ساتھ کفن میں لپیٹ دینا۔ تاکہ میں اپنے پروردگار کے سامنے اس کو لے کر حاضر ہوں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا؛ اور تجہیز وتکفین سے فارغ ہوئے تو وہ پرچہ آپ کے کفن میں لپیٹ دیا اور آپ کو دفن کر دیا گیا۔

[ریاض النضرہ۔ص ۲۶۸]

فتح بیت المقدس:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کریم کی ذات پر مکمل اعتماد تھا، چنانچہ جب مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا اور نصاریٰ نے یہ شرط عائد کی کہ ہم آپ کے خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ علاوہ کسی اور سے معاہدہ نہیں کریں گے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تمام صورت حال لکھ بھیجی، آپ نے صحابہ کرام سے مشاورت کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مشورہ یہ تھا

کہ آپ کا بذاتِ خود تشریف لے جانا مناسب نہیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ کا جانا ہر لحاظ سے مفید ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ رائے پسند آئی۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام خلیفہ مقرر کر کے شام کا سفر فرمایا۔ چنانچہ اللہ نے بیت المقدس کی فتح کا تاریخی اعزاز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل کا نتیجہ تھا۔ [البدایہ والنہایہ۔ جلد ۷، ص ۵۵]

[جاری ہے]

☆☆☆☆☆☆☆

دریا بہ حباب اندر

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ

بے کارم و باکارم چوں مد بہ حساب اندر
میں بے کار بھی ہوں اور باکار بھی ہوں جس طرح حساب میں مد ہے
گویانم و خاموشم، چوں خط بہ کتاب اندر
اور میں بولتا بھی ہوں اور خاموش بھی ہوں جس طرح کتاب میں خط ہے

اے زاہدِ ظاہر بیں! از قرب چہ می پُرسی
اے ظاہر پرست زاہد! قرب حق کے سلسلہ میں مجھ سے کیا پوچھتا ہے
اُو در من و من در وے چوں بُو بہ گلاب اندر
وہ میرا مالک میرے اندر ہے اور میں اُس کے اندر ہوں جس طرح خوشبو گلاب کے اندر ہے

گہ شادم و گہ غمگیں، از حالِ خودم غافل
میں کبھی خوش ہوں، کبھی غمگین ہوں، اپنے حال سے غافل ہوں
می گریم و می خندم، چوں طفل بہ خواب اندر
میں کبھی ہنستا ہوں اور کبھی روتا ہوں جس طرح بچہ خواب میں ہنستا روتا ہے

دریا رود از چشمم، لب تر نہ شود ہرگز
میری آنکھ سے ایک دریا رواں ہے لیکن میرے لب تر نہیں ہوتے
ایں رمز عجائب بیں، لب تشنہ بہ آب اندر
اس عجیب نکتہ پر غور کیجیے کہ میں دریا میں رہ کر تشنہ لب ہوں

در سینہ نصیر الدین جز عشق نمی گنجد
(اس فقیر) نصیر الدین کے سینہ میں عشق الٰہی کے سوا کچھ نہیں
ایں طرفہ تماشا بیں، دریا بہ حباب اندر
کیا طرفہ تماشا ہے کہ دریا حباب کے اندر ہے

تذکرۂ اولیائے چشت

[حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی ؒ]

مولوی محمد رمضان معینی تونسوی☆

ملک شام کے مشہور شہر عکہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیعت وخلافت کا شرف حاصل ہوا۔ لطائفِ اشرفی حصہ اول [ملفوظات حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی ؒ] میں نظام غریب یمنی تحریر کرتے ہیں کہ آپ مرید ہونے کی غرض سے ملک شام سے بغداد پہنچے اور حضرت خواجہ دینوری کے مرید ہوگئے۔ حضرت خواجہ نے نام دریافت کیا: کہ نام کیا ہے آپ نے جواب دیا۔ مجھے ابو اسحاق شامی کہتے ہیں حضرت خواجہ نے فرمایا: آج سے تجھے ابو اسحاق چشتی کہیں گے اور اہل چشت اور اس ملک کے لوگ آپ سے ہدایت پائیں گے اور جو لوگ آپ کے سلسلے میں داخل ہوں گے ان کو بھی قیامت تک لوگ چشتی کہیں گے۔ پس تربیت کے بعد حضرت خواجہ نے آپ کو چشت بھیج دیا۔ اسی دن سے خواجگانِ چشت اہلِ بہشت کا ظہور ہوا۔

خواجگانِ چشت کے سردار پانچ حضرات ہیں جنھیں پنج تن کہا جاتا ہے۔ اول حضرت خواجہ ابو اسحاق چشتی ؒ، دوم حضرت خواجہ ابو احمد چشتی ؒ، سوم حضرت خواجہ ابو محمد چشتی ؒ، چہارم حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی ؒ اور پنجم حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی ؒ (مراۃ الاسرار، اردو، ص ۳۷۱)

سِرُ العارفین یعنی حالاتِ مشائخ چشتیہ کے مؤلف بہاؤ الدین محمود ناگوری چشتی تحریر کرتے ہیں: شیخ ابو اسحاق چشتی علیہ الرحمۃ نے مخدوم شیخ علو دینوری کا مرید ہونا چاہا تو چالیس روز تک آپ نے استخارہ کیا؛ اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی۔ کہ ابو اسحاق علو دینوری کا مرید ہونا چاہتا ہے۔ آواز آئی۔ اے ابو اسحاق! علو دینوری ہمارا دوست ہے۔ تو جا کر اس کا مرید ہو جا اور اس کی خدمت میں رہ۔ چالیس روز بعد آپ شیخ

☆ خانقاہِ معلی حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی ؒ، تونسہ مقدسہ [ڈیرہ غازی خان]

علو دینوری علیہ الرحمۃ کے گھر آئے اور پائے بوسی کی۔ شیخ علو دینوری علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ اے ابو اسحاق! درویشی بڑا کام ہے؛ جو درویش ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا دوست ہو جاتا ہے اور پروردگار کے اسرار کا محرم ہو جاتا ہے۔ شیخ ابو اسحاق چشتی علیہ الرحمۃ نے عرض کی کہ جو بندہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے اور آپ کا منظورِ نظر ہو گیا ہے اُمید ہے کہ درویش بھی ہو جائے گا۔ شیخ علو دینوری علیہ الرحمۃ نے آپ کو بغل میں لیا اور فرمایا اے ابو اسحاق! میں نے اللہ تعالیٰ سے التماس کی تھی؛ کہ تو کامل درویش ہو جائے اور تیرے فرزند بھی درویش ہو جائیں اور جو تیرا مرید ہو یا تیرے فرزندوں کا مرید ہو وہ بھی اہلِ نعمت ہو جائے۔ آپ نے یقین کیا اور مرید ہو گئے۔ شیخ علو دینوری علیہ الرحمۃ نے فرمایا اے اسحاق! تجھے لازم ہے کہ فقر و فاقہ اختیار کرے اور فقر کو عزیز جانے اور فقیروں و مسکینوں سے نشست و برخاست کرے۔ اور اگر ہو سکے تو اہلِ دنیا سے الگ رہے اور دنیا کو قبول نہ کرے کیونکہ ہمارے پیر فقیر تھے وہ اہلِ دنیا سے الگ رہا کرتے تھے اور فقیروں اور وزیروں کو مسکین جانتے تھے اور دنیا کے نزدیک نہیں پھٹکتے تھے۔

آپ نے اپنے پیر کی ساری نصیحتوں کو قبول کیا۔ شیخ علو دینوری علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ اے ابو اسحاق! خلوت اختیار کر اور گوشہ نشین ہو۔ اور لا الہ الا اللہ کے ذکر میں مشغول رہ۔ ہمارے پیر اس ذکر کو بہت عزیز رکھتے تھے اور یہ ذکر بہت کرتے تھے۔ آپ نے اپنے پیر کے حکم سے گوشہ نشینی اختیار کی۔ سات سال آپ عبادت میں مشغول رہے اور شیخ علو دینوری علیہ الرحمۃ کی خدمت کرتے رہے۔ آپ سات طی [روزے] کے بعد افطار کرتے۔ غیب سے آواز آئی کہ اے علو دینوری! ابو اسحاق نے اپنا کام ٹھیک کر لیا ہے اور ہماری بارگاہ کے لائق ہو گیا ہے؛ ہم نے اسے پسند اور قبول کیا ہے۔ اسے درویشی خرقہ پہنا اور اپنا جانشین کر؛ اور تو ہماری بارگاہ میں آ جا۔

شیخ علو دینوری علیہ الرحمۃ نے خادم کو فرمایا: کہ شیخ ابو اسحاق علیہ الرحمۃ کو بلا لاؤ۔ خادم بلا لایا۔ تو شیخ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: کہ اے ابو اسحاق! تو میرا فرزند ہے اور میں تجھے عزیز جانتا ہوں۔ اس لیے تجھے لازم ہے کہ تو میرا جانشین بنے اور ہمارے پیروں کا چراغ روشن کرے۔ اور خلقت کے ساتھ نیک برتاؤ کرے۔ تواضع اور خلق سے پیش آئے۔ فقیر کو غنی سے افضل جانے اور فقر کو دولت مندی سے بہتر خیال کرے۔ کیونکہ پیغمبر

ﷺ اور ہمارے تمام پیروں نے فقر اور فقیر کو دولت مندی اور دولت مندوں سے افضل جانا ہے؛ اور انھیں دوست رکھا ہے۔ بعد ازاں شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو درویشی خرقہ پہنایا اور خلافت عطا فرمائی۔ اور اپنا جانشین بنایا۔ جب آپ نے درویشی خرقہ پہنا تو غیب سے آواز آئی۔ کہ اے ابو اسحاق! تجھے درویشی خرقہ پہننا مبارک ہو۔ اور عرش سے تحت الثریٰ تک پردہ اٹھایا گیا تو آپ رونے لگے۔ جب آپ سے سبب پوچھا تو فرمایا: کہ میری نظر سے پردہ اُٹھایا گیا ہے۔ عرش سے تحت الثریٰ تک ہمارے دل کی حضوری نہیں۔ میری نظر عرش و کرسی پر پڑتی ہے بے چارہ عاشق عرش و کرسی کو کیا کرے۔ بھوکا آدمی ٹھنڈا پانی کب پیتا ہے۔ ہمارا مطلب تو عرش و کرسی کا خالق ہے۔ ہم عرش و کرسی کو کیا کریں (سرُّ العارفین یعنی حالات مشائخ چشتیہ کے مؤلف بہاؤالدین محمود ناگوری چشتی، ص ۸۰ تا ۸۱، مطبوعہ اللہ والے کی قومی دکان، لاہور اشاعت باردوم)

قصبہ چشت شریف میں سادت حسنی کو مرید کیا۔ چشت شریف سے واپس اپنے شہر عکہ تشریف لے گئے وہیں پر وصال ہوا۔ صاحب مراۃ الاسرار تحریر کرتے ہیں: کہ آپ نے خرقۂ خلافت حضرت خواجہ علی دینوری سے حاصل کیا تھا چودہ سلسلوں کا؛ لطایف اشرفی میں لکھا ہے۔ (ص ۳۷۱) حضرت خواجہ ابواسحاق چشتی کا مزار عکہ میں جو شام کے علاقے میں ہے۔ آپ کی تاریخ وصال چودہ ماہِ ربیع الآخر [ربیع الثانی] ہے لیکن سن وصال معلوم نہیں (مراۃ الاسرار اُردو، ص ۳۷۴)

جواہر مودودی سلکِ دویم میں لکھا ہے کہ خواجہ شرف الدین ابواسحاق چشتی صاحب طبقات حسامیہ میفرماید کہ شیخ ابواسحاق چشتی رحمۃ اللہ سبحانہ عظیم بزرگ بود و از ساداتِ اصفیاء و روسائی خلفاء خواجہ علو دینوری رحمۃ اللہ سبحانہ است و گویند کہ وی بہ موجب امرِ الٰہی بہ نیت ارادت از ملک شام در بغداد بہ صحبتِ خواجہ علو دینوری رسید و مرید شد؛ خواجہ پرسید چہ نام داری گفت ابواسحاق شامی آں حضرت فرمود امروز ترا ابواسحاق چشتی خوانند پس بعد از تربیت ابواسحاق چشتی را خرقۂ خلافت پوشانیدہ بہ چشت فرستاد و آں روز خواجگانِ چشت پیدا شدند و سر حلقہ ایشاں پنج تن بودند اول ابو اسحاق چشتی دویم خواجہ ابواحمد چشتی سیوم خواجہ ابومحمد چشتی، چہارم خواجہ ناصر الملت والدین ابویوسف

چشتی، پنجم خواجہ قطب الدین چشتی ایں پنج تن چشت بودند ہم چناں از خلفاء ایشاں پنج تن در ملکِ ہند ہستند۔ یکی خواجہ معین الحق والدین چشتی دوم خواجہ قطب الملت والدین بختیار سیوم خواجہ فرید الحق والدین چشتی چہارم خواجہ نظام الحق والدین چشتی پنجم خواجہ نصیر الحق والدین چشتی شجرہ ہر کہ یکی ازیں پنج تن رسید باں پنج تن برسد اورا چشتی خوانند۔ (ص۔۱۴۹)۔ فوت خواجہ ابواسحاق شامی رحمۃ اللہ سبحانہ چہاردہم ربیع الثانی۔ عکہ بفتح ع مہملہ کاف مشدد است از بلادِ شام (جواہر مودودی، ص ۱۵۴)

لطائفِ اشرفی میں لکھا ہے کہ چشتیوں کا سلسلہ شیخ ممشاد علو دینوری سے ملتا ہے۔ چشتیوں کے مبدأ حضرت شیخ ابواسحاق چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور چشت نام کے دو مقام ہیں۔ ولایت خراسان میں ایک شہر ہے اور دوسرا ولایتِ ہند میں ملتان اور اوچہ [اوچ شریف] کے درمیان اور یہ قریہ چشت ملتان سے زیادہ قریب ہے۔ شیخ ابواسحاق چشتی کا تعلق خراسان سے ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کا تعلق شام سے ہے اس لیے آپ کو شیخ ابواسحاق شامی کہتے ہیں۔ آپ ابدالوں میں سے تھے چشت تو کفرستان تھا۔ شیخ ابواسحاق نے وہاں اسلام پھیلایا، اسلام کی تبلیغ کرنے کے بعد آپ چشت سے بغداد پہنچے وہاں پہنچ کر آپ شیخ علو دینوری کے مرید ہوئے۔ شیخ نے آپ سے دریافت کیا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ابواسحاق شامی، شیخ نے فرمایا: کہ اب تم کو لوگ ابواسحاق چشتی کہیں گے۔ تم چشت کے خواجہ (سردار) ہو تم ہی چشت میں اسلام پھیلاؤ گے۔ اس کے بعد علو دینوری نے آپ کو خلافت عطا فرمائی اور فرمایا کہ اب چشت میں جاؤ کہ وہاں اکابر کی ایک جماعت سلطان فرسنافہ کی نسل سے پیدا ہوگی جس کے مربی و پیشوا تم ہو گے۔ پس آپ پیر کے ارشاد کے بموجب چشت تشریف لائے۔

سلطان فرسنافہ جو چشت کے شرفا میں سے تھے، ان کی ایک صالحہ بہن تھیں، حضرت ابو اسحاق ان کے یہاں گاہے گاہے تشریف لے جایا کرتے تھے اور ان کو آپ نے یہ بشارت دی کہ تمارے بھائی (سلطان فرسنافہ) کے یہاں عنقریب بیٹا پیدا ہوگا جو اکابر و اماثر کا منبع ہوگا، سلطان کے یہاں ولادت کا زمانہ قریب تھا؛ جب یہ بات آپ نے فرمائی تھی چنانچہ کچھ دنوں بعد ہی

سلطان فرسنافہ کے یہاں شیخ احمد ابدال پیدا ہوئے اور وہ سنِ شعور پر پہونچ [پہنچ] کر حضرت ابو اسحاق شامی سے بیعت ہوئے۔تب سے خواجگانِ چشت کے یہ پانچ حضرات ہیں؛یعنی ان پانچ افراد پر خواجگان چشت کا اطلاق ہوتا ہے: خواجہ ابو اسحاق چشتی، خواجہ احمد چشتی ، خواجہ محمد چشتی، خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی ، خواجہ قطب الدین مودود چشت ، خواجہ قطب الدین چشتی اور حضرت شیخ احمد زندہ پیل جامی (پ ۴۴۰ ھ) کے مابین کچھ اختلاف پیدا ہو گئے تھے لیکن کچھ مدت کے بعد اختلاف ختم ہو گیا اور خواجہ قطب الدین مودود چشتی نے حضرت شیخ احمد زندہ پیل سے بہت کچھ حاصل کیا، خواجہ قطب الدین مودود چشتی کے مرید کو چشتی کہتے ہیں اسی طرح جو بھی اس سلسلہ سے وابستہ ہوتا ہے چشتی کہلاتا ہے۔

حضرات چشت کی سیرت کے سلسلہ میں صرف چند باتیں یہاں تحریر کی جاتی ہیں، یہ حضرات شہر وقریہ میں مکانات بناتے ہیں، مخلوق کو دعوتِ حق دیتے ہیں اور باطل کی دنیا سے نکال کر حق کی طرف لاتے ہیں، ہمیشہ دنیا اور آرزوہائے دنیا سے الگ رہتے ہیں، ریاضت اور مجاہدہ کو اپنا شعار بنائے رہتے ہیں، فقر و فاقہ میں زندگی بسر کرتے ہیں، ہمیشہ فقیروں اور مسکینوں کی صحبت میں رہتے ہیں اور کھانے میں ان کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، یہ حضرات سماع کو دوست رکھتے ہیں اور اہلِ سماع کو پسند کرتے ہیں، اپنے پیروں کا عرس منعقد کرتے ہیں، صاحبانِ ثروت سے زیادہ فقیروں اور مسکینوں کی عزت کرتے ہیں، اپنے مہمانوں اور مسافروں کے ہاتھ خود دھلاتے ہیں، فقیروں کے سامنے آش اور کھانا خود ہی پیش کرتے ہیں اور کبھی کسی مالدار کو غریب اور فقیر پر ترجیح نہیں دیتے؛ ان کے افطار میں اکثر لذیذ چیزیں ہوتی ہیں اکثر لذیذ چیزوں اور نعمتوں سے افطار کرتے ہیں، ان حضرات کے التفات سے مرید کے دل میں دنیا کی محبت سرد پڑ جاتی ہے، یہ حضرات مرید کو بہت جلد توبہ کراتے ہیں

قطعہ

کسی کز مریدانِ چشتی بود   درو سیرتی از بہشتی بود

بظاہر شریعت بباطن حضور — جزیں ہر دو سیومیش زشتی بود
بہر کس بہ اخلاق سازند و بس — اگر مسجدی یا کنشتی بود
بہ طوفانِ بلوئی جہاں را چو نوح — دم جودشاں ہم چو کشتی بود
کہ اشرف دریں خاندان شگرف — صفا بیشتر، کم درشتی بود

ترجمہ: جوکوئی سلسلہ چشتیہ کے حلقۂ اردات میں داخل ہوجاتا ہے اس میں جنتیوں جیسی سیرت پیدا ہوجاتی ہے ان کا ظاہر شریعت کے مطابق ہوتا ہے اور باطن حضورِ حق میں حاضر ہوتا ہے اس کے علاوہ تیسری چیز کو ناپسند کرتے ہیں۔ یہ حضرات ہر شخص کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے ہیں خواہ وہ مسلمان ہو یا نصرانی، مصیبت کے طوفان کے وقت حضرت نوح علیہ السلام کی طرح ان کا وجود امن وامان عطا کرنے والی ہستی ہوتا ہے، اے اشرف اس خاندانِ چشت میں جو بہت ہی انوکھا اور پاکیزہ خاندان ہے صفا اور درستی بہت زیادہ ہے، درشتی اور سختی بہت کم ہے۔ (لطائفِ اشرفی، حصہ اول، لطیفہ۔۱۵، ص۵۳۳تا۵۳۵)

دستار۔ سر پر اس طرح دستار باندھنا جس طرح مشائخ چشت باندھتے تھے، اس طرح ہے کہ سات پیچ (لپیٹ) کی ہو اور ہر کور (لپیٹ) میں بل ہوں جس سے اشارہ اس طرف ہے کہ سر کو ماسوا حق تعالیٰ سے موڑلیا ہے، سات پیچ سے کم اور زیادہ کی دستار بھی باندھی گئی ہے، دستار کے دونوں سرے باہر نکالنا بعض مشائخ کا طریقہ رہا ہے۔ دستار کے ایک سرے کا شملہ بنانا مشائخ چشت کی سنت ہے (لطائفِ اشرفی، حصہ اول، لطیفہ،۱۲، ص۵۱۶تا۵۱۷)

مشربِ خاندانِ چشتیہ اور اس دودمان بہشتیہ کے ذوق وشوق کی بات ہی کچھ اور ہے (اللہ تعالیٰ بزرگانِ چشت کی خواب گاہ کو جنت بنائے) مشائخِ سلف نے اپنے مریدوں کی رہنمائی اور رشد وہدایت کے لیے اور مستفیدان طریقت کے سلوک خود سے اور انفرادی طور پر ہر ایک کے لیے ایک طریقہ اور ایک نہج مقرر فرمادیا تھا (ہر ایک شیخ ہر فرد کے لحاظ سے ایک مخصوص اور معین طریقہ تھا جس پر وہ ان کو عمل پیرا ہونے کا حکم دیتے تھے اور ان کی رہنمائی فرماتے تھے) لیکن مشائخ چشت کا طریقہ اور ان کا پسندیدہ کیشوں کی روش (اس معاملہ میں) کچھ اور ہے

قطعه

بداں کاندر جهان از روی عرفان | گرفته هر کسی پاکیزه مذهب
همه اصحاب از وجدان و عرفان | تفاخری کنند باهم زمنصب
اگر دانند ذوق از مشرب ما | گذراند مذهب و گیرند مشرب

ترجمہ: از روئے عرفان دنیا کے اندر ہر کسی نے ایک پاکیزہ مشرب کو اختیار کر لیا ہے، تمام لوگ از روئے وجد و عرفان اپنے منصب پر نازاں ہیں، اگر ان حضرات کو ہمارے مشربِ ذوق کا پتہ چل جائے تو اپنا مشرب ترک کر کے ہمارا مشرب اختیار کر لیتے۔

ان حضراتِ چشتیہ کا مشرب مقصد سے بہت نزدیک ہے۔ پس جو کوئی سلسلۂ چشتیہ سے دوستی کا مدعی ہے اور اس خاندانِ قدیم اور دودمان کریم اہلِ چشت کی دوست داری کا دعویدار ہے اس میں یہ دو صفتیں ہونا چاہیے ایک تو ترک وایثار اور دوسرے عشق وانکسار! جس میں یہ دو صفتیں موجود نہیں سمجھ لیجیے کہ اس کو مسلکِ چشتیہ سے کوئی حصہ نہیں ہے، اور وہ بہشتی مشرب سے بہرہ یاب نہیں ہو سکتا (لطائفِ اشرفی، حصہ اول، لطیفہ۔۱۲، ص ۴۵۴ تا ۴۵۵)

ڈاکٹر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ:

چشت، خراسان کے ایک مشہور شہر کا نام ہے۔ وہاں بزرگانِ دین نے روحانی اصلاحی و تربیت کا ایک بڑا مرکز قائم کیا۔ اس کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور وہ نظام اس مقام کی نسبت سے چشتیہ سلسلہ کہلانے لگا۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے۔

وآں دو مقام اند یکے شہریست درمیان ولایت خراسان قریب ہرات، و چشت دوئیم دیہ یست در ولایت ہندوستان درمیان اوچ وملتان وخواجگان چشت از چشت خراسان بودہ اند۔ چشت نام کے دو مقام ہیں ایک شہر خراسان میں ہرات کے قریب واقع ہے دوسرا چشت، ہندوستان میں اوچ اور ملتان کے درمیان ایک قصبہ ہے خواجگانِ چشت، خراسان والے چشت سے تعلق رکھتے ہیں۔

سید علاء الدین اودہی مامقیماں میں فرماتے ہیں

گر بہ ہندوستاں شدیم
چہ باک سبزہ گلشن خراسانیم

حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی التوفی ۳۲۹ھ-۹۴۰ء پہلے بزرگ ہیں جن کے اسمِ گرامی کے ساتھ تذکروں میں چشتی لکھا ہوا ملتا ہے۔ افسوس ہے کہ ان کے حالات تفصیل سے کسی تذکرہ میں درج نہیں۔ سیر الاولیاء میں ان کے متعلق صرف چند سطریں لکھی گئی ہیں ظاہر ہے کہ ان کی مدد سے تو شیخ کی ایک دھندلی سی تصویر بھی نہیں بن سکتی۔ بعد کے تذکروں مثلاً مراۃ الاسرار، شجرۃ الانوار، خزینۃ الاصفیاء میں جو تفصیل دی گئی ہے وہ کرامت کے چند قصوں اور سماع کے چند واقعات تک محدود ہے اور کسی طرح شیخ کی پوری شخصیت کو اجاگر نہیں کرتی۔ ایک زبردست روحانی نظام کا یہ بانی فکر وعمل کی جن صلاحیتوں کا مالک تھا۔ اس کا کوئی اندازہ اِن تذکروں سے نہیں ہوتا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ ابو اسحاق شام کے رہنے والے تھے۔ اپنے وطن سے چل کر بغداد آئے اور حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ خواجہ دینوری التوفی ۲۹۸ھ/۹۱۰ء اپنے زمانے کے ممتاز بزرگ تھے۔ دور دور سے عقیدت مند ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ان کا حال خواجہ فریدالدین عطار نے "تذکرۃ الاولیاً" اور مولانا عبدالرحمان جامی نے "نفحات الانس" میں لکھا ہے۔ خواجہ عطار کا بیان ہے کہ وہ اپنی خانقاہ کا دروازہ عموماً بند رکھتے تھے، جب کوئی آتا تو پوچھتے کہ مسافر ہو یا مقیم۔ پھر فرماتے، اگر مقیم ہو تو اس خانقاہ میں آجاؤ۔ اگر مسافر ہو تو یہ خانقاہ تمہاری جگہ نہیں ہے۔ چوں کہ جب تم چند روز یہاں رہو گے اور مجھے تم سے انس ہو جائے گا اور پھر تم جانا چاہو گے تو مجھے اس کی تکلیف ہو گی اور مجھ میں فراق کی طاقت نہیں۔

مفتی غلام سرور قادری لاہوری تحریر کرتے ہیں۔ وفات خواجہ ابو اسحاق شامی بتاریخ چہاردہم ماہِ ربیع الثانی سال سہ صد و بست و نہ ہجری است و مزار پُر انوار در شہر عکہ از بلادِ شام است واقع شدہ چوں ابو اسحاق شامی پیرِ چشت شد ازیں دنیا بہ جنت شاد کام وصل پاکش ہست قطب الواصلین ہم ابو اسحاق محبوب انام۔ (خزینۃ الاصفیاء، ص ۲۴۰، ۲۴۱)

حاجی نجم الدین سلیمانی لکھتے ہیں: ذکر حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولد ایشاں ملکِ شام ست و ایشاں مرید و خلیفہ خواجہ ممشاد علو دینوری اند، عالم علوم ظاہری و باطنی و صاحب وجد و سماع بودند، وفات ایشاں چہاردہم ماہِ ربیع الآخر شد در سنہ ۲۴۳ دو صد و چہل و سہ ہجری [سہ صد و بست نہم ہجری]، قبر ایشاں در بلدہ عکہ است در ملکِ شام کذانی سفینۃ الاولیاء مرات الاسرار و اقتباس الانوار و

ایشاں راہم خلفاء[بسیار] بودند اما سلسلہ چشتیہ ما از واسطہ خواجہ ابی احمد چشتی است و خواجہ ابواسحاق شامی چشتی راسر سلسلہ چشتیان ازاں گویند کہ ایشاں در چشت آمدہ و خواجہ ابواحمد چشتی را مرید کردند و خلیفہ خود ساختند و چند روز در چشت ماندہ خلق آں جا را فیض ظاہری و باطنی بخشیدند و نیز ایشاں خواجہ ممشاد علود ینوری ایشاں را بوقت بیعت کردن فرمودہ بود کہ ازیں بعد شمارا و مریدان شمارا چشتی خواہند گفت،،

حواشی

ا۔ فارسی نسخہ میں سن وصال غلط تحریر ہے۔ جب کہ آپ کے خلیفہ خواجہ ابواحمد چشتی ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے ۔آپ کا وصال ۱۴ ربیع الاول ۳۲۹ھ کو ہوا۔ سفینۃ الاولیاء صفحہ ۲۹۳ مترجم پیر غلام دستگیر نامی۔ سیر الاقطاب میں تحریر ہے " آپ کا وصال ۱۴ ربیع الثانی کو ہوا۔ مطبوعہ کراچی صفحہ ۸۶۔ مرأۃ الاسرار میں تحریر ہے " آپ کی تاریخ وصال چودہ ماہِ ربیع الآخر ہے لیکن سال وصال معلوم نہیں صفحہ ۳۷۴۔ اقتباس الانوار صفحہ ۲۷۵ میں تحریر ہے آپ کا وصال چودہ ربیع الثانی کو ہوا۔ لیکن سال وصال نظر سے نہیں گذرا۔ آپ کا مزار مبارک عکہ میں ہے جو ملکِ شام میں ہے۔ نفحات الانس صفحہ ۵۵۸ پر تحریر ہے " آپ مشائخِ کبار سے گزرے ہیں۔ آپ کی قبر مبارک شہر عکہ میں ہے جو مملکتِ شام میں واقع ہے۔ آپ شیخ علود ینوریؒ کے مرید ہیں۔

۲۔ عکہ مشرقی بحیرہ روم میں اسرائیل کی بندرگاہ ہے۔ اب تو اس شہر کی زیادہ اہمیت نہیں رہی چند ہزار کی آبادی ہوگی۔ کسی زمانے میں یہ صیقا اور فلسطین کے اہم ترین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ مشرق اور جنوب کے درمیان جو تجارتی قافلے کاروبار کرتے تھے ان کا یہ صدر مقام تھا۔ تعلیقات غبار خاطر، مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم دہلی، ۱۹۶۷ء۔ مُرتبہ مالک رام، ص ۳۳۶، مطبوعہ آزاد کشمیر۔

۳۔ چشت افغانستان کے علاقہ ہرات کے مشرق میں ایک بستی کا نام ہے۔ حمد اللہ متوفی نے ۷۲۰ھ /۱۳۲۰ء میں لکھا ہے کہ چشت اوسط درجہ کا شہر ہے۔ اس نام کی ایک ولایت بھی ہے جس میں تقریباً پچاس گاؤں ہیں۔ یہ ولایتِ ہری رود سے منسوب تھی۔ بحوالہ مضمون خواجہ غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی " کے حالات اور کارنامے۔ در مقالاتِ دینی و علمی حصہ اول از خان بہادر پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مطبع مزدور پرنٹنگ پریس رائل پارک، لاہور، ص ۲۲۸، ۳۰ دسمبر ۱۹۷۰ء۔

چشت۔ ھرات کے مشرق میں بالائی ہری رود کی ایک ولایت اور شہر ہے۔ شہر چشت جواوبہ سے مشرق کی طرف دو دن کی راہ پر ہے۔ جسے " نزہتہ القلوب" ص ۱۵۴ پر متوسط درجہ کا شہر بتایا گیا ہے۔

آج کل ''خواجہ چشت'' کہلاتا ہے اور یہیں سے غور کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ حدود العالم ص ۳۴۳ یسر پنج نقشہ ''خشت'' فرشتہ طبع برگز ۲: ۱۲/۷) مشہور ترک فاضل آقای ذکی ولیوی طوغان نے جو زیارت کے لیے اجمیر شریف بھی پہنچے تھے، مجھے بتایا کہ دراصل چشت ترکستان کے مواضع میں سے ہے۔ اور یہ والا چشت بعد میں اس نام پر آباد ہوا۔ ص ۲۴۹۔

۱۔ لطائفِ اشرفی، جلد اول، لطیفہ نمبر ۱۵

۲۔ مکتوباتِ اشرفی

۳۔ نفحات الانس، مولف مولانا عبدالرحمٰن جامی

۴۔ سِرُّ العارفین، مؤلف بہاءالدین محمود ناگوری

۵۔ سیر الاقطاب، مؤلف الہ دیہ چشتی صابری

۶۔ مراۃ الاسرار، مؤلف شیخ عبدالرحمٰن چشتی صابری

۷۔ اقتباس الانوار، مؤلف محمد اکرم براسوی

۸۔ جواہرِ مودودی، مؤلف محمد اکرم براسوی

۹۔ حضرت ابو اسحاق شامی مؤلف علامہ سید اخلاق حسین دہلوی (پ ۱۹۰۶ء۔ م، ستمبر ۱۹۹۴ء)

۱۰۔ تذکرۃ المشائخ، مؤلف علامہ سید اخلاق حسین دہلوی (پ ۱۹۰۶ء۔ م، ستمبر ۱۹۹۴ء)

☆☆☆☆☆

احسن الاقوال اور نفائس الانفاس کا تعارفی مطالعہ

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر☆

[ا]

ملفوظات (ا) ہماری تہذیبی، عرفانی اور ادبی زندگی کی وہ صنفِ سخن ہے، جو اپنے اندر ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اتنے رنگ اور آہنگ سمیٹے ہوئے ہے، جس کی ادبی اور عرفانی تاریخ میں کوئی دوسری مثال ممکن نہیں۔ ابھی ان فن پاروں کو ادبی تناظر میں دیکھنے اور ان کے مطالعاتی افادات کو ادب کے تناظر میں کشید کرنے کا کام آغاز نہیں ہوا اور نہ ہی وہ خوش آثار منظر طلوع ہوا، جو اس صنف کی خوش آہنگی کے مناظر کو ایک ایسے پیش نامے میں منکشف کر دے، جس سے اس صنف کا جمالیاتی اور معنوی دائرہ: فکر و فرہنگ کو ایک نئی معنویت سے ہمکنار کرے۔

تہذیب اور ادب کے امتزاجی مطالعات میں اس صنفِ اظہار سے اخذ و استفادہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس صنف کی جمالیاتی معنویت کو دیگر ادبی اصنافِ ادب کے مابین موجود فکری اور معنوی جلوہ آرائی کے مظاہر سے باہم آمیخت کر کے اس کی نئی اور تازہ تعبیر اور تفہیم کی طرف توجہ دی گئی۔ لے دے کر اس صنفِ نگارش کو تاریخی تناظر میں دیکھنے، یا پھر اس کی عارفانہ تہذیب کو موضوعِ سخن بنایا گیا۔ ان مطالعات میں بھی اس صنف اور اس کے بین السطور عارفانہ مناظر کی جلوہ پیرائی کا کہیں گزر نہیں ہوا اور نہ ہی کہیں اس صنف کے ادبی رویوں کو زیرِ بحث لایا گیا اور نہ ہی اس کے اسالیب بیاں کی بوقلمونی کہیں مذکور ہوئی۔ اس صنفِ اظہار میں ادبی اصناف کے کتنے ہی رنگ اور آہنگ موجود ہیں ، لیکن اس کی ادبی حوالے سے تحسین کا حق ادا نہیں ہوا۔ لازم ہے کہ اس صنف کی معنوی، تکنیکی اور فنی حدود کا تعین کیا جائے اور ان کی معنویت کو اُجاگر کیا جائے، تا کہ یہ فن کدۂ علم و عرفان بھی اپنی تمام تر جمالیات کے ساتھ منکشف ہو سکے۔

☆ صدرِ شعبۂ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ملفوظات نگاری کا آغاز چشتی صوفیہ کی بابرکت اور پُر انوار خانقاہوں میں ہوا۔ اس سلسلے کا پہلا محفوظ اور معلوم مجموعہ انیس الارواح (۲) ہے جو خواجہ عثمان ہرونی (م ۶۱۷) کے ملفوظات گرامی پر مشتمل ہے۔ اس خوش آثار مجموعے کے مرتب خواجہ معین الدین چشتی اجمیری غریب نواز (م ۶۲۷) ہیں، جنھوں نے اپنے شیخ کی عرش مقام مجالس کی فکری اور معنوی روداد کو قلمبند کر کے ان کی گل افشانیِ گفتار کے مناظر کو متشکل کیا۔ ان کے بعد اس صنفِ نگارش کے مختلف اور متنوع نمونے معرضِ اظہار میں آئے اور اسے اس سلسلے کی خانقاہوں میں بہت اہمیت حاصل رہی اور آج بھی ان کی خوشبوئے دلنواز سے عرفان اور معرفت کی دنیا معطر ہے۔

بیسویں صدی میں پروفیسر محمد حبیب (م ۱۹۷۱ء) نے فوائد الفواد سے ماقبل لکھے گئے ان ابتدائی ملفوظاتی مجموعوں کو موضوع، وضعی اور جعلی قرار دیا۔ پھر ان کے زیرِ اثر کئی دیگر محققین بھی اسی روش پر چل نکلے اور انھوں نے بھی اپنے مطالعات میں ایسے ہی نتائجِ تحقیق کا اظہار کیا۔ انھوں نے فوائد الفواد اور خیر المجالس کے محض دو جملوں کی روشنی میں اس تہذیبی اور علمی سرمائے پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا اور ان جملوں کے مفاہیم کو جس تناظر میں پیش کیا گیا اور ان سے جو نتائج استخراج کیے گئے، وہ ان صوفیائے کرام کا مقصود نہ تھا۔ اس ضمن میں علامہ اخلاق حسین دہلوی (م ۱۹۹۴ء) اور صباح الدین عبدالرحمٰن علیگ (م ۱۹۸۷) نے ان پر اصولی بحث کر کے ان کی معنویت کو اُجاگر کیا اور جو نتائجِ تحقیق مرتب کیے، ان کی بصیرت افروز تعبیر کی، وہ ان دونوں بزرگوں کی ملفوظات فہمی پر گواہ ہے (۳)۔ پروفیسر محمد حبیب اور ان کے معاصر محققین نے زیادہ تر انگریزی زبان میں لکھا۔ ان کی ایسی تحریروں سے صوفی ازم کے مغربی علماء نے اکتسابِ فیض کیا اور ان کے فرمودات کی روشنی میں وہ بھی ان مجموعہ ہائے ملفوظات کو جعلی اور وضعی سمجھنے لگے، حالانکہ یہ مجموعہ ہائے ملفوظات معاصر خانقاہی ادب میں متعارف رہے اور ان کے حوالے مختلف کتابوں میں مذکور ہوئے ،لیکن جدید اسالیب کے حامل ان محققین نے ان ملفوظات پر سرسری نگاہ ڈالی اور ان کے بارے میں 'سنسنی خیز' آراء کا اظہار فرمایا۔ ان مطالعات کی وجہ سے کئی طرح کی فروگذاشتیں در آئیں اور

ان مطالعات کی تحقیقی جہت متاثر ہوئی۔ اس مسئلے پر ایک تفصیلی مطالعے اور تجزیے کی ضرورت ہے۔ ان شاء اللہ راقم آئندہ ملفوظات کے اس پہلو پر ایک مقالہ پیش کرے گا، جس میں پروفیسر محمد حبیب اور ان کے مقلدین کے فکری تسامحات کو زیرِ بحث لایا جائے گا۔

ذیل میں خواجہ برہان الدین غریب (م ۷۳۸ھ) کے دو مجموعہ ہائے ملفوظات کا تعارفی اور تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ مجموعے کبھی عام نہیں رہے اور اس سلسلے کے بزرگوں کے احوال اور سوانح کی ترقیم میں کبھی ماخذ اور حوالے کے طور پر استعمال نہیں ہوئے، وگرنہ ان مجموعوں میں سلسلے کے ابتدائی بزرگوں کے حوالے سے خاصا قابلِ قدر مواد اور مستند لوازمہ موجود ہے۔ خواجہ برہان الدین غریب چشتی گھرانے کے فردِ فرید تھے۔ وہ بابا فرید الدین مسعود گنجِ شکر (م ۶۷۰) کے خلیفۂ اول مولانا جمال الدین ہانسوی کے سگے بھانجے تھے۔ وہ ۱۲۵۶ء کو ہانسی میں متولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ہانسی ہی میں حاصل کی اور بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی چلے گئے۔ دہلی ان دنوں علم و ادب کا گہوارہ تھا۔ تاتاری حملوں کی وجہ سے تمام مسلم دنیا سے علوم و فنون کے ماہرین اس شہر میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ) کی بدولت یہ شہر روحانی حوالے سے بھی بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ خواجہ برہان الدین غریب تعلیم سے فارغ ہو کر خواجہ نظام الدین کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ ۳۷ سال کی عمر میں دولتِ بیعت سے سرافراز ہوئے۔ ان کے بڑے بھائی خواجہ منتخب الدین بھی خواجہ نظام الدین اولیاء کے دامن گرفتہ تھے اور مجاز بھی۔ انھیں اپنے شیخ کی طرف سے دکن میں متعین کیا گیا تھا۔ وہ برسوں دکن کے علاقے میں سلسلے کی ترویج اور اشاعت کے لیے سرگرمِ کار رہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے شیخ کی زندگی ہی میں واصل بحق ہو گئے۔ ان کی جگہ خواجہ برہان الدین غریب کو بھجوایا گیا۔ ان کے ساتھ علماء اور صوفیہ کی پوری ایک جماعت بھی شاملِ سفر تھی۔ فوائد الفواد کے ایک بیان کے مطابق: اس جماعت میں شامل افراد کی تعداد سات سو تھی۔ خواجہ برہان الدین غریب اپنے شیخ کی وفات کے بعد تیرہ سال زندہ رہے۔ انھوں نے دکن کے علاقے میں اشاعتِ اسلام کے لیے بے پناہ کام کیا۔ ۱۳۳۷ء کو

وفات پائی اور خلدآباد میں مدفون ہوئے۔ روضۃ الاولیاء کے مصنف میر غلام علی آزاد حسینی چشتی بلگرامی نے لکھا ہے کہ: شیخ نے مجرد زندگی گزاری۔ کوئی بھی دنیوی چیز ان کی ملکیت میں نہ تھی۔ پچیس سال تک انھوں نے صبح کے وضو سے عشاء کی نماز ادا کی۔ تیس سال صوم داؤدی کے عامل رہے۔ سماع میں بہت غلو فرماتے تھے۔ رقص میں ایک علیحدہ طرز کے موجد تھے، جسے طرز برہانی کہا جاتا ہے۔(۴)

[۲]

نفائس الانفاس ولطائفِ الفاظ :

نفائس الانفاس خواجہ برہان الدین غریب کے ملفوظاتِ عالیہ کا مجموعہ ہے۔اس مجموعے کے مرتب اور جامع کا اسمِ گرامی خواجہ رکن الدین کاشانی ہے۔وہ خواجہ غریب کے دامن گرفتہ اور حلقہ بگوش تھے۔انھیں اپنے تین بھائیوں (خواجہ حمادالدین کاشانی، خواجہ برہان الدین کاشانی اور خواجہ مجدالدین کاشانی) کی طرح اس بارگاہِ عرش مقام کی غلامی کا شرف حاصل تھا۔وہ شاعر بھی تھے اور دبیر تخلص کرتے تھے۔انھوں نے اپنے شیخ کے حضور ایک قصیدہ بھی پیش کیا تھا، جو بیس اشعار پر مشتمل ہے(رک: مجلس ۴۶)۔وہ شمائل الاتقیاء کے مؤلف بھی تھے۔شیخ کی ایک مجلس میں انھوں نے اس کتاب کا دیباچہ سنایا (رک: مجلس ۴۷)، جسے شیخ نے بہت پسند فرمایا۔ کتاب اور صاحبِ کتاب کی تحسین کی اور ان کے لیے دُعا بھی کی۔

پروفیسر محمد اسلم نے اس مجموعے کے مرتب کا نام عمادالدین کاشانی لکھا ہے، لیکن یہ درست نہیں۔ ندوۃ العلماء کا مخزونہ نسخہ ان کے زیرِ مطالعہ رہا اور انھوں نے اس کے مطالعاتی افادات کی ترقیم بھی کی، لیکن حیرت ہے کہ وہ اس کے مرتب تک رسائی نہیں پا سکے، جبکہ ان کا نامِ نامی اس نسخے کے دوسرے صفحے پر موجود ہے۔عمادالدین کاشانی ان کے والدِ محترم کا نام تھا۔ پروفیسر اسلم کے مقالے میں مرتب کے نام کی تغلیط کے علاوہ بھی اور کئی طرح کے تسامحات در آئے ہیں۔لازم ہے کہ اس تعارفیے میں اِن کی طرف بھی اشارہ کیا جائے، تا کہ قارئین ان سے آگاہ ہو

سکیں۔

پروفیسر صاحب نے نفائس الانفاس اور احسن الاقوال کو ایک ہی مرتب کی تصانیف بتایا، بلکہ دائرۃ المعارف میں برہان الدین غریب پر لکھے گئے مولوی محمد شفیع کے مقالے پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا کہ:

> ''ماخذ کی فہرست سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نفائس الانفاس اور احسن الاقوال فاضل مقالہ نگار کی دسترس سے دور رہیں، اس لیے انھوں نے انھیں دو مختلف مصنفین کی تصانیف بتایا ہے۔ حالانکہ نفائس الانفاس میں عماد کاشانی نے شمائل الاتقیا اور احسن الاقوال قلمبند کرنے کا اعتراف کیا ہے۔'' (۵)

احسن الاقوال کے مرتب رکن الدین دبیر نہیں، بلکہ ان کے بھائی حماد الدین کاشانی ہیں۔ نفائس الانفاس میں انھوں نے شمائل الاتقیاء کی تصنیف و تالیف کا ذکرِ خیر کیا، لیکن احسن الاقوال کا کہیں مذکور نہیں۔ خود اسلم صاحب کو سہو ہوا اور انھوں نے متذکرہ بالا دونو کتابوں تک مولوی محمد شفیع کی نارسائی کا فیصلہ سنا دیا۔

اس طرح اپنے مقالے میں پروفیسر صاحب نے اقتباسات تو نفائس الانفاس سے نقل کیے، لیکن حوالے احسن الاقوال کے دیئے۔ (دیکھیے ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت :ص ۱۸۰ تا ۱۸۳) ان تین صفحات پر آمدہ سارے حوالے غلط ہیں۔

پروفیسر اسلم صاحب نے لکھا:

> ''۳۷ سال کی عمر میں انھوں [برہان الدین غریب] نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اپنے مرشد کے وصال تک ان سے جدا نہ ہوئے۔'' (۶)

حالانکہ شیخ نے انھیں اپنی مبارک زندگی ہی میں (۷۲۲ھ کو) دکن روانہ کر دیا تھا۔ مرشد

کے وصال (۷۲۵ھ) کے وقت وہ دیو گیر میں تھے۔

اسی طرح انھوں نے لکھا ہے کہ:

''سب سے پہلی مجلس بروز یکشنبہ ماہِ رمضان ۷۳۴ھ کو منعقد ہوئی۔ آخری ملفوظ بروزِ جمعہ چار ماہِ صفر ۷۳۴ کو قلمبند ہوا۔'' (۷)

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نفائس الانفاس کا آغاز رمضان ۷۳۲ھ کو ہوا اور اس مجموعے کی آخری مجلس ۴۔صفر ۷۳۸ھ کو انعقاد پذیر ہوئی۔ساڑھے پانچ سال کے دورانیے میں مرتبِ ملفوظات کو اڑتالیس (۴۸) مجالس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔انھوں نے فوائد الفواد کے اتباع اور تقلید میں دن، مہینے اور سال کی ترقیم کے ساتھ مجالس کی روداد قلمبند کی۔انھوں نے اپنے شیخ کو مختلف کیفیات میں دیکھا؛ان کی خوش آثار مجالس سے کسبِ فیض کیا اور ان کی زبانِ دُرر بار سے جو کچھ سنا،اسے اپنے معجز رقم قلم کی بدولت آئندہ زمانوں کے لیے محفوظ کیا۔اس مجموعے کے خطی نسخے کبھی زیادہ عام نہیں رہے۔ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانے میں اس کا ایک کرم خوردہ نسخہ محفوظ ہے۔ایک نسخہ حضرت برہان الدین غریب کی بارگاہِ عرش مقام کے گدی نشین کے پاس موجود ہے۔ان دو نسخوں کے علاوہ کوئی تیسرا نسخہ دنیا کے کسی کتب خانے میں محفوظ نہیں،اور اگر ہے تو راقم اپنی کوششِ بسیار کے باوجود اس کی موجودگی سے بے خبر ہے۔اس مجموعۂ ملفوظات کا جو نسخہ بارگاہِ غریب میں محفوظ ہے،اس کا عکس پروفیسر کارل ارنسٹ کے پاس بھی موجود ہے۔انھوں نے اس کی انگریزی میں فہرست بھی مرتب کی اور نسخے کے کئی مقامات پر مختصر حاشیہ آرائی بھی کی۔ نفائس الانفاس کے متذکرہ بالا دونوں نسخوں کے عکس راقم کے پیشِ نظر ہیں۔

شبیب انور علوی کاکوروی نے اس مجموعے کا اردو ترجمہ کیا۔یہ ترجمہ ۲۰۱۲ء میں اشاعت آشنا ہوا۔۱۵۵ صفحات پر مشتمل یہ ترجمہ متن کے بہت قریب،نہایت سہل اور رواں دواں ہے۔اس میں تازگی اور شادابی کا رنگ رس اپنی بہار دکھا رہا ہے۔ترجمہ نگار کو دونوں زبانوں پر مہارت اور دسترس حاصل ہے،جس کا اظہار ترجمے کی ایک ایک سطر سے نمایاں ہے۔انھوں نے ۱۲

صفحات پر مبنی ایک عمدہ مقدمہ بھی سپردِ قلم کیا جو اس مجموعۂ ملفوظات، صاحب ملفوظات اور ملفوظات نگار کے حوالے سے اہم اور نادر معلومات کا خزینہ ہے۔

[۳]

احسن الاقوال:

احسن الاقوال خواجہ برہان الدین غریب (م ۷۳۸ھ) کے ملفوظات کا ایک بیش بہا مجموعہ ہے۔ اس کے مرتب اور جامع حماد کاشانی تھے۔ وہ خواجہ برہان الدین غریب کے حلقہ بگوش تھے۔ انھوں نے اپنے شیخ کی خوش آثار مجالس سے، جو جواہر ریزے چنے، انھیں نہایت سلیقے سے ایک سلک میں پرو دیا۔ یہ مجموعۂ اقوال ملفوظات کے عام اسلوبِ نگارش اور طرزِ اظہار سے قدرے مختلف انداز میں قلمبند ہوا۔ اس مجموعے میں کہیں بھی سنہ و سال کا گزر نہیں ہوا۔ البتہ موضوعاتی اعتبار سے خواجہ برہان الدین غریب کے اقوالِ گرامی ایک خاص ترتیب سے مزین اور مرتب ہوئے۔ احسن الاقوال انتیس ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب میں شیخ کے فرمودات کسی نہ کسی خاص موضوع کے حوالے سے نقل ہوئے ہیں۔ ہر موضوع دوسرے سے مختلف بھی ہے اور منفرد بھی۔ موضوعاتی حوالے سے مرتب ہونے والے مجموعہ ہائے ملفوظات میں یہ مجموعہ ممتاز اور نمایاں ہے۔ A Note on Ahsan ul Aqwal کے عنوان سے خلیق احمد نظامی نے بھی ایک مقالہ لکھا اور محمد شمیم عالم نے A Comparative Study of Khair ul Majalis and Ahsan ul Aqwal کے موضوع پر جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، دہلی سے پی ایچ۔ ڈی کیا۔ ملفوظاتی ادبی سرمائے میں یہ مجموعۂ ملفوظات بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ابھی اس مجموعے کے فکری مندرجات کی تحسین ہونا باقی ہے۔ اس مجموعے میں اس عہد کے علمی اور فکری رویوں کے ساتھ ساتھ سیاسی اور سماجی رویے بھی اپنی جھلک دکھاتے ہیں۔ سلسلۂ چشتیہ کے بزرگوں کے علاوہ دیگر سلاسل کے بزرگوں کے حوالے سے بھی مستند سوانحی کوائف موجود ہیں۔ اگر کوئی مؤرخ ان مجموعہ ہائے ملفوظات کے تناظر میں عہدِ سلاطین کی تاریخ مرتب کرے تو یقیناً وہ نئے اور مختلف

نتائج سے بہرہ ور ہوگا۔

مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ یہ نسخہ ۷۹ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس مجموعے کا ایک نسخہ پروفیسر محمد حبیب کے پاس بھی تھا۔ نثار احمد فاروقی نے احسن الاقوال کے ایک قلمی نسخے کا تعارف جرنل آف سکھ اسٹڈیز، امرتسر میں کرایا تھا، وہ ان دونوں نسخوں کے علاوہ کوئی تیسرا نسخہ تھا۔ اب موخر الذکر دونوں نسخے کہاں ہیں؟ کچھ معلوم نہیں۔ البتہ ایک نسخہ بارگاہِ برہان الدین غریب کے لنگر میں بھی موجود ہے۔ اس مجموعے کی ترتیب وتہذیب ۷۳۸ھ کو عمل میں آئی۔ اس مجموعے کا ایک اردو ترجمہ مولوی عبدالمجید وکیل اورنگ آبادی نے کیا تھا، جو مطبع جہانگیر بمبئی سے ۱۳۴۲ھ چھپا تھا۔ دوسرا ترجمہ ڈاکٹر بیگ فرحین بانو خلد آبادی نے کیا، جو ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء میں گنج بخش پبلشرز خلد آباد کے اہتمام سے اشاعت پذیر ہوا۔

متذکرہ بالا ان ملفوظاتی مجموعوں کے علاوہ مجد الدین کاشانی نے بھی خواجہ برہان الدین غریب کے احوال اور ملفوظات کے دو مجموعے مرتب کیے: غریب الکرامات اور بقیۃ الغرائب ۔ میر غلام علی آزاد حسینی چشتی بلگرامی کے بقول:

> ”ہر چہار بنظرِ فقیر رسیدہ و این ہر سہ برادر باجمیع اہلِ بیتِ خود مرید و معتقدِ شیخ اند و عمرِ خود در جمعِ اقوال و احوالِ شیخ صرف کردہ اند و غیر از رسائلِ مذکورہ توالیفِ دیگر نیز درین باب دارند۔“ (۸)

کاشانی برادران کے چار مجموعہ ہائے ملفوظات کے علاوہ خواجہ برہان الدین غریب کے ملفوظاتِ گرامی پر مشتمل ایک مجموعہ اخبار الاخیار کے نام سے بھی مرتب ہوا تھا۔ مرتب اس مجموعے کے حمید قلندر تھے۔ اس میں بیس مجالس کا احوال لکھا گیا تھا، لیکن اب یہ مجموعہ گم ہو چکا ہے۔ دکن سے آنے کے بعد حمید قلندر نے یہ ملفوظاتِ گرامی خواجہ نصیر الدین چراغ (م ۷۵۷ھ) کی خدمت میں پیش کیے تھے۔ خواجہ نے اس مجموعے کی ورق گردانی کی؛ مختلف مقامات سے پڑھا اور جامعِ ملفوظات کی ان الفاظ میں تحسین فرمائی: ”درویش تم نے خوب لکھا ہے“۔ (۹)

پروفیسر محمد اسلم کے بقول:

''عبداللہ خویشگی نے معارج الولایت میں لکھا ہے کہ نفائس الانفاس حضرت برہان الدین غریب کے ملفوظات کا وہی مجموعہ ہے، جو حمید قلندر نے مرتب کیا تھا۔ یہاں عبداللہ خویشگی کو سہو ہوا ہے۔ نفائس الانفاس کے مرتب عماد کاشانی[؟] تھے''۔(۱۰)

اس ضمن میں ایک سہو پروفیسر صاحب کو بھی لاحق ہوا، کیونکہ نفائس الانفاس کے مرتب عماد کاشانی نہ تھے، بلکہ یہ مجموعہ عماد کاشانی کے صاحبزادے رکن الدین دبیر کا مرتبہ ہے، جیسا کہ اس سے قبل ذکر ہوا ہے۔

حوالے اور حواشی:

(۱) ملفوظات کے معنی و مفہوم اور اس صنفِ اظہار کے فنی اور فکری دائرۂ کار کے لیے دیکھیے راقم کا مقالہ: ملفوظات نگاری: چند فکری اور فنی مباحث (بازیافت مجلّہ شعبۂ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور: شمارہ ۲۲: جنوری۔ جون ۲۰۱۳ء: ص ۴۹۔۵۶) اور سلسلہ چشتیہ میں اس صنفِ نگارش کی روایت کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ بعنوان سلسلۂ چشتیہ کے ملفوظاتی ادب کا تعارفی اور توضیحی مطالعہ (تصفیہ، کاکوری، لکھنو: جنوری تا دسمبر ۲۰۱۵ء: ج ۲: ش ۱و۲: ص ۱۵۹۔۲۱۴)

(۲) انیس الارواح اصلاً فارسی میں ہے۔ اس کا متن کئی بار اشاعت پذیر ہوا۔ اردو اور انگریزی میں اس کے تراجم بھی ہوئے۔ اس مجموعے کے کئی خطی نسخے بھی دنیا کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

مطبوعہ متن:

انیس الارواح: ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء: لکھنو: ۳۶ص (یہ ایڈیشن میک گل میں ہے)

انیس الارواح: مطبع منشی نولکشور، لکھنو: ۱۸۹۰ء: ۴۰ص

انیس الارواح: مطبع مجتبائی، دہلی: ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴۔۹۵ء: ۳۶ص

انیس الارواح: مطبع حافظ محمود حسن، لکھنو: ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء: ۴۰ص (یہ ایڈیشن ٹورنٹو میں ہے۔)

تراجم:

اردو تراجم:

انیس الارواح: تاجرانِ کتب قومی، لاہور (منشی نولکشور پریس، لاہور): س ن: ۵۶ص (ترجمہ مشتمل بر ۵۲ صفحات اور ۴ صفحات پر کتابوں کے اشتہارات) سلسلۂ تصوف نمبر ۳۴، قیمت چار آنے (یہ ایڈیشن ریختہ کی ویب پر محفوظ ہے۔)

انیس الارواح: ۴۵ص (بقیہ کوائف اس ترجمے پر تحریر نہیں ہیں۔)

روح الارواح: محمد عبدالصمد کلیم (مترجم): مطبع رضوی، دہلی: ۱۳۰۶ھ: ۲۸ص

رفیق الارواح: حکیم محمد افضل (مترجم): مطبع مجتبائی، دہلی: ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء: ۴۸ص (یہ ایڈیشن ٹورنٹو میں ہے۔)

انیس الارواح: قاضی پبلی کیشنز، لاہور:

رفیق الارواح: مولوی حکیم محمد افضل بن محمد عبداللہ صدیقی لکھنوی (مترجم): مطبع مجتبائی، دہلی: بار اول ذی قعدہ ۱۳۱۲ھ: ص ۵۶ (نظرِ ثانی: مولوی اعجاز احمد)

جواہر الاصلاح: محمد توفیق خاں چشتی نظامی نیازی مسکینی (مترجم): علوی اکیڈمی، ٹونک راجستھان: ۱۹۹۸ء: ۶۴ص

انیس الارواح: محمد غلام سرور قادری (مترجم): قادریہ کتب خانہ، ملتان: ۱۳۹۱ھ: ۵۴ص

انیس الارواح: اکبر بک سیلرز، لاہور: ۲۰۰۵ء: ۴۸ص

انیس الارواح: مکتبہ اسلامک بکس،: نومبر ۲۰۱۰ء: ۱۰۰ص

ہندی ترجمہ:

انیس الارواح: رشید بک ڈپو،: ۷۶ص (دیوناگری رسم الخط میں)

انگریزی ترجمہ:

Campanions of the Souls:Ishaque Bin Ismail Chishty:Adam Publishers,New Delhi:118p

خطی نسخے:

انیس الارواح : مخزونہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: نستعلیق: ۱۔۱۸ اوراق: تخمیناً ۱۹ء۔[مرآۃ العلوم۔ جلد دوم: مولوی عبدالمقتدر (مرتب): خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: ۲۰۰۹ء: ص ۲۲]

انیس الارواح : مخزونہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: نستعلیق: شیخ میاں نصیرالدین (کاتب): ۱۶ اوراق/۲۱ سطور: ۱۱۰۰ھ [مرآۃ العلوم۔ جلد سوم: سید اطہر شیر (مرتب): خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ : ۲۰۰۷ء: ص ۲۷۳]

انیس الارواح : مخزونہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: نستعلیق: سید ارشاد حسین چوری چکوی (کاتب): ۱۶ اوراق/۲۰ سطور: ۱۲۹۳ھ [مرآۃ العلوم۔ جلد چہارم: ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن (مرتب): خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: ۲۰۰۹ء: ص ۵۵]

انیس الارواح : مخزونہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: نستعلیق: ۲۹ اوراق/۱۳ سطور: ۱۳ ویں صدی ھ [مرآۃ العلوم۔ جلد چہارم: ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن (مرتب): خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: ۲۰۰۹ء: ص ۵۵]

انیس الارواح : مخزونہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: نستعلیق: ۱۵ اوراق/۱۹ سطور: ۱۲۶۸ھ [مرآۃ العلوم۔ جلد پنجم: ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن (مرتب): خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: ۲۰۱۰ء: ص ۴۳]

انیس الارواح : مخزونہ پنجاب پبلک لائبریری، لاہور: نستعلیق: شیخ محمد طاہر ولد شیخ المشائخ عبد القدوس: ۲۴۔ رجب ۱۰۱۴ھ [فہرستِ مشترک نسخہ ہای خطی پاکستان ۔ جلد سوم: احمد منزوی: مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان: ۱۹۸۴ء: ص ۱۲۹۵]

انیس الارواح : مخزونہ پنجاب پبلک لائبریری، لاہور: نستعلیق شکستہ: محمد رشید (کاتب): ۱۱۴۷ھ در شہر بخارا: ۲۶ برگ/۱۵ سطور [فہرستِ مشترک نسخہ ہای خطی پاکستان ۔ جلد سوم: احمد منزوی: مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان: ۱۹۸۴ء: ص ۱۲۹۶]

انیس الارواح : مخزونہ کتب خانہ خلافت انجمن ربوہ، سرگودھا: نستعلیق خوش: ۱۰۴۰ھ در پاک پتن: ۸۹ص [فہرستِ مشترک نسخہ ہای خطی پاکستان ۔ جلد سوم: احمد منزوی: مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان: ۱۹۸۴ء: ص ۱۲۹۵]

انیس الارواح : مخزونہ کتب خانہ گنج بخش، اسلام آباد: نستعلیق پختہ: ۳۔ شوال ۱۰۸۳ھ [فہرستِ مشترک نسخہ ہای خطی پاکستان ۔ جلد سوم: احمد منزوی: مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان: ۱۹۸۴ء: ص ۱۲۹۵]

انیس الارواح : مخزونہ کتب خانہ گنج بخش، اسلام آباد: نستعلیق پختہ: ایزد بخش (کاتب): ۱۱۶۹ھ [فہرستِ

مشترک نسخہ ہای خطی پاکستان ۔جلد سوم:احمد منزوی:مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان:۱۹۸۴ء:ص۱۲۹۶]
انیس الارواح: مملوکہ غلام فرید، چشتیاں: نستعلیق خوش: غلام فرید فریدی (کاتب): ۲۲۔رجب ۱۲۱۵ھ:
۸۱ص[فہرستِ مشترک نسخہ ہای خطی پاکستان ۔جلد سوم:احمد منزوی: مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان:۱۹۸۴ء:ص
۱۲۹۶]
انیس الارواح: مخزونہ کتب خانہ سعدیہ، کندیاں: نستعلیق خوش: علی احمد (کاتب): ۱۲۹۳ھ: ۸۶ص
[فہرستِ مشترک نسخہ ہای خطی پاکستان ۔جلد سوم:احمد منزوی: مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان:۱۹۸۴ء:ص۱۲۹۶]
انیس الارواح: مخزونہ ذخیرۂ شیرانی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور:[فہرستِ مشترک نسخہ ہای خطی پاکستان ۔جلد
سوم:احمد منزوی: مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان:۱۹۸۴ء:ص۱۲۹۶/فہرست مخطوطاتِ شیرانی۔جلد دوم: ڈاکٹر محمد بشیر
حسین: ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور: باراول جون ۱۹۶۹ء:ص۲۰۳]
انیس الارواح: مخزونہ سردار جھنڈیر، وہاڑی: نستعلیق شکستہ آمیز: ۱۳۱۱ھ: ۷۰ص[فہرستِ مشترک نسخہ ہای
خطی پاکستان ۔جلد سوم:احمد منزوی: مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان:۱۹۸۴ء:ص۱۲۹۶]
انیس الارواح: مخزونہ کتب خانہ سواس، لندن یونیورسٹی، لندن: مخطوطہ نمبر ۱۸۹۷ا
انیس الارواح: مخزونہ سینٹ پینکراس برٹش لائبریری، لندن: مخطوطہ نمبر او آر ۶۶۹۳: ایف ایف ا
وی۔۔۔۱۹آر
انیس الارواح: مخزونہ کتب خانہ در گاہِ عالیہ چشتیہ احمد آباد، گجرات: ۱۱۶۰ھ: نستعلیق: برگ
۴۳/۱۳سطور[شمارۂ کتاب:۱۳۰/شمارۂ میکروفیلم:۱۰۸]
انیس الارواح: مخزونہ کتب خانہ درگاہِ پیر محمد شاہ احمد آباد، گجرات: نستعلیق شکستہ: ۳۰برگ/۱۵سطور[شمارۂ
کتاب: ۲۹۰/شمارۂ میکروفیلم:۸۶/۱۰]
انیس الارواح: مخزونہ کتب خانہ درگاہِ پیر محمد شاہ احمد آباد، گجرات: نستعلیق: ۱۰۸۰ھ سیزدہم جلوس اورنگ
زیب:: ۱۵برگ/۲۵سطور[شمارۂ کتاب:۱۹۹/شمارۂ میکروفیلم:۲۶/۲]
انیس الارواح: مخزونہ ذخیرۂ مولانا آزاد، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ: نستعلیق: ۲۱برگ/۱۵سطور[شمارۂ کتاب:
۱۲۰۵: کتابخانہ مولانا آزاد، دانشگاہ اسلامی، علی گڑھ۔جلد اول/شمارۂ میکروفیلم:۲۸۵/۲]
انیس الارواح: مخزونہ ذخیرۂ مولانا آزاد، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ: نستعلیق: ۲۳ برگ/۱۵سطور[شمارۂ
کتاب:۱۶۵۹: کتابخانہ مولانا آزاد، دانشگاہ اسلامی، علی گڑھ۔جلد اول/شمارۂ میکروفیلم:۴۱۳/۶]

انیس الارواح :مخزونہ کتاب خانۂ رضا۔ رامپور:۱۸ ورق[فہرستِ نسخہ ہای خطی فارسی کتاب خانۂ رضا۔ رامپور (جلد اول): کتاب خانۂ رضا۔رامپور:فروردین ۱۳۷۵/صفر ۱۴۱۷ھ/جون ۱۹۹۶ء:ص ۲۸۷]

(۳) ان دونوں بزرگوں کے مطالعاتی افادات کے لیے دیکھیے: سید صباح الدین عبدالرحمٰن کے تحقیقی مقالات(مطبوعہ در معارف ،اعظم گڑھ)اور علامہ اخلاق حسین دہلوی کی کتاب آئینۂ ملفوظات : کتب خانہ انجمن ترقی اردو، دہلی: بار اول ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

(۴) روضۃ الاولیاء : مطبعِ اعجازِ صفدری:س ن:ص ۲و۳

(۵) ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت :ص ۱۸۰

(۶) ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت :ص ۱۷۸

(۷) ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت:ص ۱۸۱ اور ص ۱۸۸

(۸) روضۃ الاولیاء :ص ۵

(۹) خیر المجالس :حمید قلندر/مولوی احمد علی: پرویز بک ڈپو[ناز پبلشنگ، دہلی]:س ن:ص ۵

(۱۰) ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت :ص ۱۳۸

☆☆☆☆☆

تذکرہ اساتذہ کرام درس گاہ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی

حضرت مولانا سراج الدین انجرویؒ

علامہ حافظ محمد اسلم

حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کی درسگاہ میں اپنے وقت کے ایسے قابل رشک اساتذہ کرام سلسلہ تدریس کے لیے تشریف لاتے رہے کہ اگر ہر ایک کا بالتفصیل ذکرِ خیر کیا جائے تو ممکن ہے کہ کئی صفحات درکار ہوں لیکن طوالت کے پیش نظر چیدہ چیدہ احوال تحریر کیے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کی درسگاہ کے اساتذہ کرام میں سے استاذ العلماً مرجع الفقہاء، سیاح الحرمین، شیخ الحدیث، حضرت علامہ مولانا الحاج سراج الدین ؒ قریشی کا اسمِ گرامی بھی معروف و مشہور ہے۔ مولانا سراج الدینؒ صاحب کے والدِ محترم حضرت مولانا میاں محمد بھی آستانہ عالیہ مکھڈ شریف میں تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ آپ کے والدِ گرامی حضرت مولانا میاں محمد فقیر اور نیک سیرت انسان تھے۔ بچپن ہی سے آپ کو دینِ متین، صوم وصلوٰۃ کی طرف بے حد رغبت تھی۔ آپ کی ولادت پائی خیل، ضلع میانوالی میں ہوئی اور وہیں آپ نے علومِ شرعیہ کی تکمیل فرمائی۔ آپ فطرتی وطبعی پابندی صوم وصلوٰۃ کے علاوہ ایک عالمِ دین ہونے کی حیثیت سے احکامِ شرع کے زیادہ پابند تھے۔ لیکن آپ کا خاندان فضول رسومات اور لہوولعبیات کی طرف زیادہ مائل تھا۔ جس کے باعث '' اَلحُبُّ لِلہ و البُغضُ لِلہ" کے تحت اپنے خاندان سے متنفر ہو گئے تھے۔ تاہم آپ نے اپنے خاندان کے جملہ حالات سے اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ تونسویؒ کو آگاہ کیا تو حضرت صاحب نے فرمایا: کہ مولوی صاحب جب صورتحال بہتر نہیں ہے تو آپ پائی خیل [ضلع میانوالی] کو خیر آباد کہہ دیں۔ اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر آپ پیرومرشد کے حکم کے مطابق مکھڈ شریف تشریف لے آئے۔ یہاں آپ کو کافی عرصہ تدریس کا موقع بھی میسر آیا۔ اس

☆ صدر مدرس درس نظامی، خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف [اٹک]

وقت آستانہ شریف میں حضرت زینت الاولیاء مولانا زین الحق والدین المعروف زینت الاولیا کا زمانہ تھا۔

حضرت مولانا میاں محمد صاحب اور حضرت خواجہ زین الدینؒ ایک زمانہ میں تدریس فرماتے رہے جیسا کہ صاحبِ ''تذکرۃ الصدیقین'' حضرت مولانا محمد الدینؒ، حافظ عبدالقدوس کے احوال میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے پیرومرشد حضرت والد بزرگوار (غلام محی الدین احمدؒ) کی زبان مبارک سے سنا کہ جب استاد حافظ عبدالقدوس صاحب زمانۂ طالب علمی میں مکھڈ تشریف لائے تو مولوی سراج الدین صاحب انجرا والے کے والد صاحب ایک حجرہ میں کسی طالب علم کو ''کافیہ'' (نحو کی کتاب) کا سبق پڑھا رہے تھے۔ پہلے استاد صاحب ان کے پاس جا بیٹھے دورانِ سبق حافظ صاحب نے کوئی اعتراض کیا چونکہ مولوی صاحب نہایت سادہ اور صاف دل انسان تھے۔ فرمانے لگے میں تو سادہ ترجمہ پڑھانا جانتا ہوں مجھ کو یہ باتیں نہیں آتیں۔ تاہم حافظ صاحب وہاں سے اٹھ کر آستانہ شریف میں کسی مقام پر حضرت خواجہ زین الدینؒ تشریف فرما تھے اور لیٹ کر کسی طالب علم کو ''کافیہ'' کا درس فرما رہے تھے حافظ صاحب نے بھی اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا تو حضرت خواجہ صاحب نے اسی حالت میں لیٹے ہوئے حافظ صاحب کے اعتراض کا جواب فرماتے رہے لہٰذا معلوم ہوا کہ مولوی سراج الدین صاحب کے والدِ محترم اور خواجہ زین الحق والدینؒ ایک ہی زمانے میں تدریس فرماتے رہے۔ (اس واقعہ کی مکمل تفصیل ''قندیلِ سلیماں'' شمارہ ۹ (جنوری تا مارچ) نظامیہ دارالاشاعت خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی۔ ص۔ ۵۰، ۵۱۔ حافظ عبدالقدوس کے احوال میں دیکھی جا سکتی ہے)

حالات مولانا سراج الدین:

حضرت مولانا سراج الدین قریشی کی ولادت پائی خیل، ضلع میانوالی میں ہوئی تھی جب آپ کے والد گرامی مکھڈ شریف تشریف لائے تھے تو اس وقت مولانا سراج الدین صاحب کم سن تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ مکھڈ شریف کی طرف منتقل ہونے کے بعد جلد ہی وصال فرما گئیں

تو مولوی سراج الدین صاحب کی کفایت کی تمام تر ذمہ داری مکھڈ شریف میں ایک مائی صاحبہ پراچن نے قبول کر لی چونکہ مائی صاحبہ کی کوئی اولاد نہ تھی اس لیے اس نے مولوی صاحب کو اپنا بیٹا سمجھ کر پرورش کی۔ کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ تقدیر الٰہیہ کے مطابق آپ کے والدِ گرامی مولوی میاں محمد صاحب کا بھی انتقال ہوگیا۔ تاہم سراج الدین صاحب اپنے والدین کے عدم نگرانی کی وجہ سے اہل محلہ کے بچوں کی صحبت میں نشست و برخاست کرنے لگے۔ کبھی بچوں کے ساتھ شکار کے لیے اور کبھی دریا کی سیر و سیاحت کے لیے پورا پورا دن گھر سے باہر ہی گزار دیتے اور مائی صاحبہ پراچن بھی آپ کو اِس خیال سے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرتیں کہ کہیں مجھے بغیر بتائے کسی اور آدمی کے پاس نہ چلے جائیں۔ تاہم مولانا سراج الدین صاحب کو جوادت زمانہ نے ایسے گھر میں جا پہنچایا کہ قریب تھا کہ آپ اپنے والدِ گرامی کے وراثتِ علمیہ سے محروم ہو جاتے لیکن خداوندِ قدوس کی غالب تقدم کے مطابق ہوا یوں کہ مکھڈ شہر میں کسی پراچہ کے ہاں شادی کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔ اور اس وقت مکھڈ کے تمام پراچہ حضرات تونسہ مقدسہ اور مکھڈ شریف ہی کے ساتھ روحانی محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ اس شادی میں خواجہ محمود تونسویؒ کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ خواجہ صاحب کی عادت مبارک تھی کہ آپ جب مکھڈ شریف میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت مولانا شاہ محمد علی مکھڈیؒ کے روضہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے؛ بعد ازاں کسی تقریب میں شرکت فرمانی ہوتی تو اُس تقریب میں تشریف لے جاتے۔ آپ دو تین ایام تک خانقاہِ معلّٰی میں ہی دن کے قیام کو پسند فرماتے تھے۔ تاہم جب آپ تقریبِ شادی سے فارغ ہوئے تو آپ نے چند لوگوں سے دریافت فرمایا کہ مولوی میاں محمد صاحب کا لڑکا سراج الدین کہاں ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور بری صحبت و سنگت نے اسے برباد کر دیا ہے۔

یہ بات سنتے ہی فوراً خواجہ صاحب نے دو آدمیوں کو حکم دیا کہ ابھی ابھی سراج الدین کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ جب سراج الدین کو خواجہ صاحب کے حکم کے مطابق پکڑ کہ آپ کے ہاں پیش کر دیا گیا تو آپ نے اپنا لعاب شہادت کی انگشت پر لگا کر سراج الدین کے منہ میں

ڈالا۔ بفضلہٖ تعالیٰ خواجہ صاحب کے لعاب مبارک کے برکت سے سراج الدین صاحب نے تمام فضول کام ترک کر دیے اور مکمل دین متین کی طرف راغب ہو گئے۔ نیز خواجہ صاحب کے فرمانے کے مطابق سراج الدین صاحب کو خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد علی مکھڈیؒ کی درسگاہ میں داخل کر دیا گیا۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد سراج الدین صاحب ایک مستند اور فاضل اجل کی وصف سے متصف ہو گئے۔

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

تحصیل علوم شرعیہ کے بعد مولانا سراج الدینؒ انجرا افغان تشریف لے گئے وہاں قوم قریش کی ایک پاک دامن اور نیک سیرت عورت سے آپ کا عقد ہوا؛ اور مولوی صاحب انجرا افغان سے مکھڈ شریف میں تدریس کے لیے بھی روزانہ تشریف لاتے تھے۔ کسی مشیر نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ کو خان آف مکھڈ نے کچھ زمین ہدیہ کی ہے آپ وہاں کوئی مکان تعمیر کر لیں؛ لیکن مولوی صاحب دنیا سے کوسوں دور رہنے والے آدمی تھے آپ نے فرمایا: خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد علی مکھڈیؒ ہی ہماری مسکن اور رہائش ہے۔ اگر چہ خان آف مکھڈ کے حواریوں نے مولانا صاحب کے نام پر وقف کی ہوئی زمین خود ہی غصب کر لی تھی اور مولانا کی اس قدر دنیا سے بے نیازی کہ آپ نے ان کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی تک نہ فرمائی۔ آپ خانقاہِ معلیٰ میں ہی رہائش پذیر ہو کہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔

اندازِ تدریس:

آپ کے اندازِ تدریس کے متعلق حضرت مولانا پیر فتح الدین سجادہ نشین حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ بیان فرماتے ہیں کہ مولانا سراج الدینؒ اپنے وقت کے بہت بڑے شیخ الحدیث اور صوفی منش عالم دین تھے۔ آپ کا طلباء کرام کو پڑھانے کا انداز یہ تھا کہ آپ ہمیشہ طلباء کو سفر و حضر میں ساتھ رکھتے تھے اور دوران سفر بھی اسباق کا سلسلہ جاری رہتا۔ جہاں کہیں آپ کا ٹھہرنے کا

ارادہ ہوتا اسی مقام میں سلسلۂ اسباق شروع ہو جاتا اور اس جگہ کے مقامی لوگ آپ کے لیے اور آپ کے طلبا کے لیے خورد و نوش کا انتظام کسی کے کہنے کے بغیر فرماتے تھے آپ طلباء کرام کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتے یہاں تک کہ اگر کسی طالب علم کے پاس سر پر پہننے کے لیے ٹوپی نہ ہوتی تو آپ خود ہی اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں تیار کر کے طلبا کو دے دیتے۔

آپ صحیح معنوں میں ''ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد'' کے مصداق تھے۔ نیز مولوی صاحب کو بزرگانِ دین سے بے حد عقیدت اور محبت تھی۔ آپ اپنے وقت کے مختلف مشائخ سے مستفید ہوتے رہے۔ ان میں سے تونسہ شریف، مکھڈ شریف، ترنائی شریف (ایبٹ آباد) اور ہری پور کے مشہور بزرگ خواجہ عبدالرحمٰن چھوری سرِ فہرست ہیں۔ اور مولوی سراج الدین مرجع العلما بھی تھے۔ جب کسی شرعی مسئلہ میں علما کے مابین نزاع پیدا ہو جاتا تو علمائے وقت مولانا سراج الدین کی طرف رجوع فرماتے تھے جیسا کہ ایک وقت میں سلسلہ چشتیہ کے مابین نمازِ مغرب کی تاخیر کے مسئلہ میں علما کرام مشائخِ چشت کی آرا مختلف تھیں تو آپ نے اس مسئلہ کی تحقیق میں اپنی بساط کے مطابق حصہ لیا؛ جس کی بارے میں راجہ نور محمد نظامی نے حضرت مولانا عبدالنبی بھوئی گاڑوی کے احوال میں ''قندیلِ سلیماں شمارہ ۴'' میں تحریر فرمایا ہے کہ جب مشائخِ چشتیہ مکھڈ شریف، میرا شریف، گڑھی شریف کے سجادہ نشینان حضرت خواجہ غلام محی الدین مکھڈی، حضرت خواجہ فقیر احمد میروی اور حضرت خواجہ محمد عبداللہ شاہ گڑھی شریف نمازِ مغرب میں قدر تاخیر کے قائل تھے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ اور مولانا محمد غازی موچی کیڑی [آپ اصل میں قصبہ ہدووالی، تحصیل جنڈ، ضلع اٹک کے رہنے والے تھے۔ موچی کیڑی میں آپ کا قیام عارضی تھا۔] غروبِ آفتاب کے فوراً بعد کے قائل تھے تو اس موضوع پر دونوں جانب سے بحث مباحثہ ہوا۔ اسی موضوع پر حضرت خواجہ فقیر احمد میرویؒ نے ''رسالہ فی بیانِ تحقیق وقتِ مغرب (معروف ''رسالہ مغربیہ'') مرتب فرمایا۔ اس بحث مباحثہ میں روایت مشہور کے مطابق مولوی سراج الدین انجرویؒ نے بھی بھرپور طریقے سے شرکت فرمائی۔ آپ کے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ سے بھی انتہائی گہرے

مراسم تھے راجہ نور محمد نظامی ایک اور مقام میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب بھو ئی گاڑ مسجد میں تشریف فرما تھے اس وقت کے دور و نزدیک کے علما و مشائخ تشریف لائے ہوئے تھے۔ جن میں سے خواجہ عبدالرحمٰن چھوہر شریف، مولانا عبدالرحیم اور مولانا حافظ سراج الدین بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ ''بشارت الابرار'' ملفوظات حضرت خواجہ احمد میرویؒ میں مولوی سراج الدینؒ کا دو مقامات میں تذکرہ موجود ہے۔ ایک مقام میں بہ ایں الفاظ ذکر فرماتے ہیں ''یک بار ایں غلام قدم بوسی از میرا شریف در ماہِ رمضان برائے عرس خواجہ مولوی محمد علی صاحب مرحوم در شہر مکھڈ شریف سرائے سلطان طالب علم برفت بروز بست و نہ رمضان شریف عرس ختم کرد بہ وقتِ ظہر واپس روانہ قدم و بہ وقت عصر در مسجد کہ قریب خانہ جناب مولوی سراج الدین صاحب بہ موضع انجرا شرقی؛ اتفاقے شب در آں مسجد افتاد'' (21) اور ایک اور مقام میں سید فقیر محمد کشمیری کا ذکر بالخیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''وقتِ طالب علمی بہ مقام لاہم تحصیل پنڈی گھیب بخواندن علم بخدمت مولوی سراج الدین مشغول بودم'' تو اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی سراج الدین صاحب ڈھوک لاہم نزد کھڑپہ [تحصیل پنڈی گھیب۔ اٹک] میں بھی تدریس فرماتے رہے۔

سفرِ حج بمع قیامِ حرمین:

حضرت مولوی سراج الدین صاحب نے اپنی حیات مبارکہ میں بمع تین چار طلبا کے پیدل حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی تھی۔ آپ نے فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد سات سال مکہ شریف ہی میں گزارے اور ہر سال حج بیت اللہ کی زیارت سے بھی مشرف ہوتے رہے۔ آپ نے مکہ شریف ہی میں سات سال تک بخاری شریف کا درس بھی دیا۔ مولوی صاحب کے قیامِ مکہ شریف کے دوران ایک انتہائی ایمان افروز واقعہ پیش آیا۔ جب آپ بخاری شریف کے درس سے فارغ ہوتے تو آپ کی طرف غیب سے بحکمِ ربی کھانا پہنچ جاتا اور یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری و ساری رہا۔ یہ بات کسی عربی نے گورنرِ مکہ کو ان الفاظ میں بتائی کہ یہاں ایک اجنبی شخص درسِ بخاری دیتا ہے اور بعد ازیں ہر وقت یادِ الٰہی میں مگن رہتا ہے اور ہر دو وقت کا کھانا غیب سے بحکمِ

ربی ان تک پہنچ جاتا ہے تو گورنرِ مکہ نے یہ تمام ماجرا سننے کے بعد تحقیق شروع کر دی۔ گورنرِ مکہ کا خیال تھا کہ ہوسکتا ہے کہ مکہ مکرمہ سے ہی کوئی آدمی کھانا لاتا ہو۔ لیکن تحقیق کے بعد گورنرِ مکہ سمجھ گیا کہ یہ معاملہ کوئی اور ہے۔

ایک روز گورنرِ مکہ نے مولوی صاحب کی طرف اپنا ایک قاصد بھیج کر شاہی لنگر سے کھانا لانے کی پیشکش کی لیکن مولوی صاحب نے گورنر کی طرف بایں الفاظ پیغام بھیجا۔ جناب گورنر۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے لنگر کو بھی سلامت رکھے۔ مجھے آپ کے شاہی لنگر سے کھانے کی کوئی حاجت نہیں چونکہ میں آپ کے ہاں مہماں نہیں ہوں۔ میں جس مالک کا مہمان ہوں وہ مجھے خزانۂ غیب سے دو وقت کا کا کھانا دے دیتا ہے۔ لہٰذا برائے کرم آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ بعد ازیں سات سال قیام مکہ کے بعد آپ نے روضہ رسول ﷺ کی طرف پیدل سفر فرمایا۔ آپ نے کچھ وقت مدینۃ الرسول ﷺ میں بھی گزارا۔ پھر مدینہ شریف سے آپ نے انجرا کی طرف رختِ سفر باندھا۔ آپ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کی درسگاہ پر تدریس فرماتے رہے۔ اس وقت آستانہ پاک پر حضرت مولانا غلام محی الدین احمد مکھڈیؒ کے علمی و روحانی عہد کا شہرہ تھا۔ آپ بھی مولوی سراج الدین صاحب سے بڑا پیار فرماتے تھے۔ مولانا سراج الدینؒ کے ہاں انجرا اور گردونواح کے لوگوں کا دعا کے لیے ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ چونکہ آپ مستجاب الدعوات تھے لوگ آپ کے ہاں چھوٹی بڑی خواہشات لے کر آتے اور بہ حکمِ ربی مرادیں لے جاتے۔

ایک دفعہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا جس کی گائے باوجود دودھ ہونے کے اُسے دوہنے نہ دیتی۔ اس کے مالک نے مولانا صاحب کو سارا ماجرا بیان کیا تو مولوی صاحب نے گائے کے پاس جا کر اس کے کان میں صرف یہ کلمات کہے'' کہ تو بڑی بے وفا ہے کہ مالک تیری خدمت کرتا ہے اور تو مالک کا حق ادا نہیں کرتی'' بس فقط یہ کلمات کہنے کی دیر تھی کہ فوراً گائے کی کھیری دودھ سے بھر گئی اور اس کے مالک نے دودھ دوھ لیا۔ مولوی صاحب کے شرم و حیا کے متعلق آج بھی لوگوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ آپ ہر وقت اپنا منہ لپیٹ کر رکھتے حتیٰ کہ جب کوئی عورت

بِالجنبیہ آپ کے سامنے آتی تو آپ خود اس سے پردہ فرما لیتے۔ نیز آپ میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ لوگوں کے ساتھ ضرورت سے زیادہ گفتگو نہ فرماتے تھے گویا کہ آپ شیخ عطارؒ کے اس فرمان کے پورے مصداق تھے۔

ہر کہ را گفتار بسیارش بود
دل درونِ سینہ بیمارش بود

آپ فاخرانہ لباس سے اجتناب فرماتے۔ آپ کا لباس انتہائی سادہ ہوتا۔

ترکِ دنیا کن برائے آخرت
وز بدن بر کش لباس فاخرت

وصال باکمال:

آپ کا وصال مبارک ۲۹۔ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ میں ہوا۔ آپ کا روضہ مبارک انجرا افغان میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کی اولاد اور عقیدت مند ہر سال ۲۲ شوال کو انتہائی محبت و عقیدت کے ساتھ عرس مبارک کا اہتمام فرماتے ہیں۔ جس میں مشائخ مکھڈ شریف کے علاوہ قرب وجوار کی خانقاہوں سے پیرانِ عظام وعلمائے کرام تشریف لاتے ہیں۔

ذکرِ اولاد:

مولانا سراج الدین صاحب نے چونکہ دو شادیاں کی تھیں (ایک انجرا افغان سے اور دوسری موضع ڈِنگی (ہری پور) اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر دو شادیوں سے نیک اور صالح اولاد سے نوازا تھا۔ چونکہ مولوی صاحب کو بہ ذاتِ خود دین متین کے ساتھ انتہائی محبت تھی۔ لہٰذا مولوی صاحب نے تمام بچوں کو باری باری حفظِ قرآن کی دولت سمیٹنے کے لیے دومیل (جنڈ۔ ضلع اٹک) کی مشہور درسگاہ مولوی شرف الدین المعروف کاکا جی کے ہاں داخل کرایا۔ بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے تمام بچے حفظِ قرآن کے ساتھ ساتھ کتبِ درسیہ کے بھی عالم تھے۔ آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے مولوی حافظ عبدالقدوس قریشی کے کچھ عرصہ موضع ڈِنگی میں قیام کے بعد انجرا افغان میں منتقل ہو کر

خدمتِ دین کے حوالے سے بہت کام کیا۔حافظ عبدالقدوس قریشی کا وصال انجرا افغان میں ہی ۱۹۷۶ء کو ہوا۔آپ کا عرس شریف بھی والدِ گرامی کے عرس کے ساتھ ۲۲ شوال کو منایا جاتا ہے۔

عبدالعلیم قریشی:

آپ مولانا عبدالقدوس قریشی کے صاحبزادے اور مولوی سراج الدینؒ کے پوتے تھے۔آپ ۲۷ جنوری ۱۹۳۴ء ماہِ شوال المعظم میں پیدا ہوئے۔آپ انتہائی نیک سیرت اور بااخلاق انسان تھے۔آپ بھی اپنے بزرگوں کے صحیح معنوں میں جانشین تھے۔آپ نے دینی خدمات کے حوالے سے بالخصوص قرآن مجید پڑھانے میں بہت کوشش فرمائی۔آپ کے پاس ناظرہ قرآن شریف پڑھا ہوا آدمی حفاظِ کرام کے مقابلہ میں پڑھتا تھا۔آپ کا وصال ۱۳۔ ربیع الاوّل۔۲ جنوری ۲۰۱۳ء کو ہوا۔آپ کا عرس ماہِ ربیع الاوّل میں ہی منعقد کیا جاتا ہے۔آپ کے دو صاحبزادے خالد محمود قریشی اور عبدالرؤوف ہیں۔آپ کے بڑے صاحبزادے خالد محمود قریشی اپنے بھائی اور دیگر احباب سمیت آستانہ شریف کے انتظام وانصرام کو چلا رہے ہیں۔

ماخذ:

۱۔ تذکرۃ الصدیقین، مولانا محمد دینؒ مکھڈی، فیروز سنز، لاہور، س۔ن

۲۔ بشارۃ الابرار، نور حسین فتح جنگی۔

۳۔ صاحبزادہ خالد محمود قریشی سے ایک نشست

☆☆☆☆☆☆

فرمودات حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ

۱۔ اگر دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو اُس کا علاج یہ ہے کہ ایک شخص اپنی طرف سے صفائی کرلے۔ جب یہ شخص اپنے اندر سے عداوت کو نکال دے گا تو ضرور دوسری جانب سے بھی آزار کم ہو جائے گا۔

۲۔ اگر کسی مجمع میں کوئی شخص ذوق والا اور نعمت والا ہوتا ہے تو سب لوگ اس شخص کی پناہ میں ہوتے ہیں۔

۳۔ بعض لوگ حج کو جاتے ہیں اور جب واپس آتے ہیں تو روزانہ بس اسی کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور ہر جگہ اسی کے قصے سناتے ہیں۔ یہ طریقہ اچھا نہیں۔

۴۔ جو بھی دنیا کی لگاوٹ سے دور رہے گا۔ معزز ہوگا اور اگر کوئی دنیا کی لگاوٹ کے باوجود معزز ہو تو اس کی عزت عارضی ہوگی۔

فاضلِ جلیل عالمِ نبیل

حضرت علامہ عبداللطیف القرشی الہاشمی قدس سرہ العزیز

پروفیسر اکبر حسین ہاشمی ☆

آپ کا اسم گرامی عبداللطیف بن مولوی محمد شریف بن نور مصطفٰے بن عطار سول بن محمد حسن بن مولوی میاں شرف الدین بن حافظ فیض اللہ بن پیر عبدالکریم بن خواجہ وادیٔ سواں، حاملِ قرآن وسنت، صاحبِ کرامات حضرت شیخ المشائخ پیر سید سبز علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ جو علاقہ پیل سے اپنے بزگوں کے حکم پر بت پرستی، کفر و شرک کو مٹانے کے لیے دریائے سوان کے کنارے قصبہ تراپ میں رونق افروز ہوئے تھے۔ اس وقت کے حکمرانوں نے آپ کو وسیع جاگیر دی تا کہ تبلیغ دین میں معاشی دقتیں پیش نہ آئیں۔ آپ کے آباؤاجداد نے کوہستانِ نمک کے اطراف پھیلے ہوئے بت کدوں کے مدِّ مقابل پرچمِ توحید بلند کیا۔ خاندانِ نبوت ورسالت نے اس فریضہ کی تکمیل میں کسی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ وطن اور رشتہ داروں کی محبت کو ہمیشہ دینِ مصطفٰی پر قربان کیا۔ آپ اپنے خاندان سے تنہا یہاں تشریف لائے۔ دریائے سواں کے کنارے یہ گاؤں ہندو بت پرستوں کا بڑا مرکز تھا۔ ہندو بڑے طاقتور تھے لیکن اللہ کے درویشوں کے سامنے یہ طاقت موم بن کر پگھل گئی۔ لاتعداد لوگوں نے اسلام قبول کیا اور یوں بت پرستوں کی اجارہ داری ختم ہوگئی۔

آپ نے علمِ دین اور تبلیغِ دین کا فریضہ اپنی اولاد کو سپرد فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ سات پشتوں تک تو میرے زور سے ولائتِ دین میری اولاد میں رہے گی؛ اس کے بعد اپنی اپنی محنت ہوگی۔ آپ کا یہ فرمان حرف بہ حرف پورا ہوا۔

راقم الحروف نے اپنے خاندان کے چند کتب خانے دیکھے اور مکھڈ شریف دربار حضرت مولوی خواجہ محمد علی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کے تاریخی کتب خانے میں بھی اپنے خاندان کے بزرگوں کی

☆ چیئرمین ملتِ اسلامیہ ایجوکیشنل سسٹم، راولپنڈی

کتب دیکھی ہیں۔ایک خانقاہ درس وتدریس کا مرکز جو سوان بردھوگئی۔راقم نے ٹیلے کی صورت میں دیکھی تھی، جسے عوام ''ملوک علی شاہ'' کی ڈھیری کہتے تھے۔رفتہ رفتہ اس کے نشانات مٹ گئے۔نسل درنسل فریضہٗ تبلیغِ دین ادا ہوتا رہا۔مفسرالامۃ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فیض گرامی سے اس خاندان کے سینے قرآن اور علوم قرآن سے معمور تھے۔نی بشوق کی منزلیں پڑھنے والے حفاظ وقرا کی کثیر تعداد تھی۔گویا کہ علاقے بھر کی مذہبی سیادت اسی خاندان میں تھی۔

حضرت ملک منصور اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد نے فریضہٗ دین کی ادائیگی میں ہمیشہ بھرپور خدمات سرانجام دیں۔تراپ کی مرکزی جامع مسجد جو ایک جالی والے درخت کی وجہ سے ''جالی والی مسجد'' مشہور تھی، ملک محمد یوسف اعوان نے جگہ بھی دی اور تعمیر بھی کرائی تھی۔میں نے حضرت علامہ عبداللطیف قریشی ہاشمی کا دور دیکھا۔آپ اس وقت عمر رسیدہ تھے۔مطالعہٗ کتب آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔بینائی کی کمزوری کی وجہ سے موٹے شیشے والی عینک استعمال فرماتے تھے۔آپ نے مختلف عنوانات پر مسودات تحریر فرمائے۔اگرچہ آپ کسی شہر میں سکونت پذیر ہوتے تو کئی کتب شائع ہوچکی ہوتیں لیکن دورافتادہ قصبہ میں وسائل نہ تھے۔سفری سہولتیں بھی ان دنوں نہ تھیں۔میرے استفسار پر آپ نے بتایا کہ مدارس اور کتب کی کمی تھی؛ ہرفن کے جید علمائے کرام تھے مثلاً کہیں صرف ''صرف ونحو'' کے ماہرین تو کہیں ''فقہ'' کے، کہیں ''حدیث'' اور ''تفسیرِ قرآن'' کے۔اس دور میں طلبا کو کئی کئی میل کا سفر کرکے مختلف مدارس میں جانا پڑتا۔آج کل کی طرح مدارس میں قیام وطعام اور کتب کی فراہمی نہ ہوتی تھی۔اکثر طلبا اسباق سنتے اور سینوں میں محفوظ کرتے یا کچھ لکھ لیتے۔

فرمایا کہ کوہستانِ نمک کے ایک مدرسہ میں، میں پڑھتا تھا۔تعلیم کا معیار بہت اچھا تھا؛ کھانے کے لیے طلبا گدا، کرکے روٹیاں جمع کرتے۔کچھ کھاتے اور باقی جمع رکھتے تاکہ باربار گدا کرنے سے عزتِ نفس مجروح نہ ہو اور وقت بھی ضائع نہ ہو۔سالن نہ ہوتا تھا۔سوکھی روٹی پانی میں بھگو کر کھاتے تھے؛ اگر نمک مرچ کہیں سے میسر ہوجاتی تو وہ بھی پانی میں ڈال دیتے۔کم خوراک

اور سوکھے ٹکڑے کھانے کے باوجود ہماری صحتیں بہت اچھی رہتی تھیں، بس طلب تھی تو علم کی۔ کپڑے دھونے کے لیے صابن نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ پیسے ہی نہ تھے۔ پانی کے کنارے سفید کلرا کٹھا کرکے کپڑوں پر ڈال کر ملتے اور پانی میں ترا لیتے؛ البتہ جوئیں زیادہ پڑ جاتی تھیں۔ جب کبھی ہم گھروں میں جاتے تو اپنے کپڑے ساتھ لے جاتے۔ ہماری مائیں بہنیں ''کڑھا'' کے اندر اُبلتے پانی میں کپڑے ڈالتیں تو جوئیں مرتیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس وقت دینی تعلیمی کے حصول کے لیے بے حد مشکلات تھیں۔ جو لوگ اِن مشکلات کو جھیل کر عوام میں عالم بن کر آتے وہ پختہ علم وعمل کے حامل ہوتے تھے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ ٹمن، ضلع چکوال میں بہت بڑے عالم شیخ الحدیث حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جن کے پاس ہم نے دورۂ حدیث کیا۔ اس وقت میری داڑھی سفید تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس وقت علما کو علمِ دین کے حصول کی حرص ہوتی تھی جبکہ آج ''سند الفراغ'' کی حرص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بہت کم عالم ہیں باقی بہروپیئے اور بناوٹی شیخ الحدیث والتفسیر بنے ہوئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ملتان خورد (چکوال) کے بڑے غیر مقلد عالم ولی داد نام کے تھے۔ ایک دن وہ ہمارے مدرسہ میں آگئے اور حضرت امام غزالی نے فرمایا کہ تیار رہو آج مولوی ولی داد آیا ہوا ہے اور وہ حدیث شریف کے طلبا پر سوالات کرتا ہے۔ درس شروع ہوا اور مولوی ولی داد صاحب آ کر بیٹھ گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ حدیث شریف کا متن میں نے پڑھنا شروع کیا تو مولوی ولی داد صاحب نے نکتۂ اعتراض اٹھایا۔ میں نے ان کا جواب دیا۔ چند مرتبہ انھوں نے اعتراضات کیے اور میں نے جوابات دیئے تو وہ بولے کہ دورۂ حدیث صحیح معنوں میں اگر کر رہے ہیں تو آپ۔

حضرت علامہ عبداللطیف قریشی ہاشمی مخدوم تھے لیکن اپنے کام خود کرتے تھے۔ جدی اراضی کا وسیع رقبہ آپ کے پاس تھا۔ مزارعین کافی تعداد میں تھے لیکن اپنے مویشیوں کے لیے کچھ نہ کچھ چارے کا اہتمام اپنے دستِ مبارک سے بھی فرماتے۔ مکھڈ شریف بھی علم وعرفان کا مرکز تھا جس کے بانی حضرت خواجہ مولوی محمد علی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت پیر خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

تھے۔آپ کے دور میں حضرت خواجہ مولوی محمد احمد الدین رحمۃ اللہ علیہ علم وعرفان میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ چند مرتبہ ایسا ہوا کہ کچھ لوگ کسی مسئلہ میں آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: کہ مولوی عبداللطیف صاحب کے ہوتے ہوئے تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟ اس سے آپ کے علمی مقام کا پتہ چلتا ہے۔ مجھے آپ کی صحبت میں رہنے کا وقت نہیں ملا۔ایک پوسٹ کارڈ سے پتہ چلا کہ اجمیر شریف سے آپ کو عرس حضور خواجہ غریب نواز میں شرکت کا دعوت نامہ آیا کرتا تھا جس سے آپ کی سلسلہ چشتیہ بہشتیہ کے مرکز کے ساتھ روحانی اور طریقت کی وابستگی ثابت ہے۔ بظاہر اس خاندان نے رسمی پیری مریدی کا سلسلہ قائم نہ کیا تاہم اس خاندان کے بزرگ مردوزن لوگوں کی امیدوں اور دعاؤں کے مرکز رہے اور اب بھی ہیں۔ حضرت کا زیادہ وقت تلاوتِ قرآنِ کریم اور مطالعۂ کتب میں گذرتا تھا۔ اسلاف کی طرح آپ بھی حکمت کرتے اور یونانی علاج کیا کرتے تھے۔اس کے علاوہ اسلاف کسی نہ کسی ہنر کے ماہر ہوتے تھے۔آپ بھی بان بٹائی کے ماہر تھے۔نہائت باریک بان ہموار اور خوبصورت ہوتا تھا۔اپنے گھر کی چارپائیاں اپنے بان سے تیار کرتے تھے۔

جمعۃ المبارک عید کا دن ہے۔ مضافات سے زمیندار لوگ تیار ہو کر گاؤں میں آتے اور ان کی اکثریت حضرت کے آستانہ پر جمع ہو جاتی۔ وقت ہونے پر ایک جلوس کی صورت میں جامع مسجد روانہ ہوتے۔آپ نہائت پیارے اور موثر انداز میں وعظ فرماتے۔ بہترین قاری تھے کہ نماز میں جب قرآن کی تلاوت فرماتے تو مقتدیوں پر وجد طاری ہو جاتا۔ مسائلِ فقہ پر عبور تھا۔ شریعت کے معاملے میں غیر متزلزل تھے۔شرعی معاملات میں کسی کا لحاظ نہ فرماتے۔ کچھ لوگ دیو بندیت کا شکار ہوئے اور ایک مسجد میں انھوں نے مولوی رکھا؛ جس نے ایک میت کے جنازہ کے موقع پر کہا کہ مولوی صاحب اگر نمازِ جنازہ کے بعد دعا نہ مانگیں تو میں جنازہ میں شریک ہوں گا۔آپ نے فرمایا کہ جنازہ کے بعد دعا ثابت ہے اور ہمارے بزرگ اسی پر عمل کرتے رہے، دعا مانگی جائے گی جس کی مرضی ہو آئے۔

عوام کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ عالمِ ضعیفی میں پیدل چلنا دشوار ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ بڑے معزز زمیندار آپ کو کندھوں پر اٹھا لے جا کر منبر شریف پر بٹھا دیتے۔ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ مجھے کسی حوالے اور سند کی ضرورت پڑی؛ میں نے ذکر کیا تو فرمایا کہ "تفسیرِ مدارک" یا "روح المعانی" کے فلاں صفحہ پر دیکھو۔ اللہ اللہ اس پیرانہ سالی میں حافظہ کا یہ عالم۔ صاحبِ فراش ہو گئے لیکن اندازِ گفتگو اور تلفظ میں فرق نہ آیا۔ میں آپ سے مسلم شریف کی جلد اول لایا بس وہی میرے پاس آپ کی یادگار ہے۔

رات بہت کم سوتے اور نمازِ تہجد مسجد میں ہی جا کر ادا فرماتے۔ فجر ہونے تک ذکر اذکار میں مصروف رہتے اور نمازِ فجر کے بعد گھر تشریف لاتے اور چائے نوش فرماتے۔ گرمی ہو یا سردی دن کو لسی ضرور پیتے۔ سر پر ہمیشہ عمامہ باندھا کرتے، کبھی صرف ٹوپی کا استعمال نہ کیا۔ نظر کی کمزوری اور ان دنوں راستے اونچے نیچے تھے تو عصا ہمیشہ اپنے پاس رکھتے۔ باہر زمینوں کی طرف جاتے تو کلہاڑی اپنے پاس رکھتے۔ ہر ملنے والے سے اخلاقِ نبوی کا مظاہرہ کرتے۔ خوش طبع تھے کبھی کبھی مذاح بھی فرماتے۔ میں نے کبھی آپ کو منہ کھول کر آواز سے ہنستے نہیں دیکھا۔ مسکراتے تھے۔ کبھی کسی کو گالی یا برا بھلا کہتے ہوئے نہیں سنا۔ غصے میں بھی زیادہ خاموش رہتے۔ آپ کثیر الاولاد تھے۔ آپ کی اولاد میں پانچ دختران ہوئیں جن میں سے دو کا انتقال ہو چکا ہے اور تین بقیدِ حیات ہیں۔ اولادِ نرینہ میں عبدالعزیز، عبدالقدوس اور عزیز الرحمن کم سنی میں ہی وصال فرما گئے، جبکہ ایک فرزند عبدالحیؒ حیات ہیں لیکن اپنے والدِ گرامی کی علمی و روحانی وراثت کا سلسلہ آگے نہ چلا سکے۔ کتبِ دینیہ کا بیش قیمت خزانہ خرد برد زمانہ کی نظر ہوا۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

۸ دسمبر، ۱۹۸۸ء کو آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اپنے آقا کریم ﷺ کی زیارت کے لیے مرقد مبارک میں تشریف لے گئے۔ تلہ گنگ میں آپ کی مرقد مبارک ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

مل کے مظہر سے نئے نعت کے مضمون سُنے

(حسّان العصر حافظ مظہر الدّین مظہر)

حسنین ساحر ٭

اُردو زبان میں نعت گوئی کا آغاز اُردو شاعری کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ اردو کے شعرا نے عربی اور فارسی کی تقلید میں نعت گوئی کا آغاز تو کیا لیکن اس دور میں رسمی قسم کی نعت گوئی ہوا کرتی تھی۔ دورِ قدیم میں غلام امام شہیدی اور کرامت علی شہیدی ہی دو ایسے شعرا تھے جن کی بدولت اردو نعت گوئی کا معیار کسی قدر بلند ہوا۔ اُردو نعتیہ شاعری کا زرّیں دور تین ہم عصر شعرا محسن کاکوروی، امیر مینائی اور احمد رضا خان بریلوی سے عبارت ہے۔ ان تینوں میں محسن کاکوروی اور احمد رضا خان بریلوی تو صرف نعت گوئی تک ہی محدود رہے۔ البتہ امیر مینائی نے دیگر اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کی۔ انھی تینوں شعرا نے نعت کو تخلیقی شان سے ہمکنار کیا۔ فنی اعتبار سے محسن کاکوروی کا مرتبہ اپنے دیگر معاصرین سے بہت بلند ہے۔ علاوہ ازیں مولانا الطاف حسین حالی، مولانا ظفر علی خان، حمید صدیقی، بہزاد لکھنوی، حفیظ جالندھری کے اسمائے گرامی آسمانِ نعت کے تابندہ ستارے ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد نعت نے حیرت انگیز طور پر ترقی کی منازل طے کیں۔ اس دور کے اہم شعرا میں مولانا ضیاء القادری بدایونی، مولانا ماہر القادری، محشر رسول نگری، عبدالعزیز خالد، حافظ لدھیانوی، عبدالکریم ثمر، نعیم صدیقی، پیر نصیر الدّین نصیر، حفیظ تائب، مظفر وارثی اور حافظ مظہر الدین مظہر کے نام نمایاں ہیں۔

لیکن ان تمام شعرأ دربارِ رسالت میں حافظ مظہر الدّین مظہر نمایاں قد و قامت کے ساتھ کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ حافظ صاحب کی نعتوں سے مترشح ہے کہ ان کا دل جذبۂ عشقِ رسول ﷺ سے لبریز ہے۔ رسولؐ کی محبت ان کے رگ و پے میں جاری و ساری ہے۔ نعت گوئی

٭ پرنسپل اسکالرز پبلک سکول۔ بھارہ کہو، اسلام آباد

کے لیے باعثِ تسکینِ دل بھی ہے اور وجہِ انبساطِ روح بھی۔ ان کی ممدوح ومحبوب ہستی تو فخرِ موجودات اور باعثِ تخلیقِ کائنات ہے۔ ایسے محبوب کی تعریف وتوصیف بلاشبہ عبادت کا درجہ رکھتی ہے:

نعت گوئی میرا محبوب عمل ہے مظہؔر
یہ عبادت میرے گھر شام و سحر ہوتی ہے

نہیں ہوں میں نیا کوئی ثنا گسترِ محمدؐ کا
کہ ذکرِ شاہِؐ دیں معمول تھا میرے اَب و جد کا

چلو کہ ہم بھی کبھی اکتسابِ نور کریں
کہ ذکر ہوتا ہے مظہؔر کے گھر مدینے کا

حافظ صاحب کی شاعری کا بے ساختہ پن ان کا بنیادی وصف ہے۔ اُردو نعت گوئی کی تاریخ میں حافظ مظہرالدّین مظہر کا نام اس لیے بھی ممتاز حیثیت کا حامل ہے کہ انھوں نے نعت گوئی کو غزل گوئی کا ہم پلہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کا نعتیہ اسلوب اعلیٰ درجے کے حسنِ تغزل سے ہم آہنگ ہے۔ ان کی نعت ادبیت اور عقیدت کے حسین رنگوں سے مزیّن ہے۔ غزل کی ایمائیت اور غزل کا رچاؤ ان کی نعتوں میں تمام تر تخلیقی توانائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ جس کا دعویٰ وہ خود بھی کرتے ہیں:

رنگِ غزل بھی ہے میرے اس رنگِ نعت میں
محدود ہے جمالِ شہِؐ بحروبر کہاں

مل کے مظہؔر سے نئے نعت کے مضمون سنے
دور رہ کر ہمیں اندازۂ طوفان نہ تھا

ہر بڑا شاعر اپنے سے پہلے کے زمانے کے بڑے شعرا سے اثر لیتا ہے جو اس کے وسعتِ مطالعہ کی دلیل ہے۔ حافظ صاحب نے نہ صرف فارسی میں طبع آزمائی کی بل کہ فارسی کے قدیم ادب کے اثرات بھی واضح طور سے ان کے کلام میں مشاہدہ کیے جاسکتے ہیں۔ وہ فارسی ادب کے جن قدیم اساتذہ سے متاثر تھے انھیں جا بجا خراجِ تحسین پیش کرتے نظر آتے ہیں:

ترے عشق کا کرشمہ، ترے حسن کی کرامت
تپش و گدازِ رومیؒ، اثرِ کلامِ رازیؒ

تری عظمتوں کے قرباں، ترے در سے مانگتا ہوں
دلِ سعدیؒ و نظامیؒ، دلِ رومیؒ و سنائیؒ

حافظ مظہر الدین مظہر کے فضل و کمال، علم و ہنر اور حلقۂ اثر سے انکار ناممکن ہے۔ ان کا شمار ان چند شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے نعت گوئی کو شاعری کی دوسری اصناف سے زیادہ معزز اور ایک مؤثر تحریک بنایا۔ ان کی نعتوں کی گونج مذہبی محفلوں، میلاد کی تقریبات، مساجد، سماجی اجتماعات، یہاں تک کہ ہر گلی ہر کوچے میں سنی جاسکتی ہے۔ اُردو نعت گوئی میں یہ قبولِ عام اور فضیلت چند ہی شعرا کے حصے میں آئی؛ جن میں حافظ مظہر الدّین مظہر کا نام ایک درخشاں ستارے کی مانند جگمگا رہا ہے۔ ان کی شاعری میں جمالِ فن بھی ہے اور جذبہ و احساس کی لطافت بھی ہے جو قاری کو وجدانی لمحوں سے آشنا کرتے ہیں۔ ان کی چند مشہور نعتوں کے اشعار ملاحظہ ہوں:

بنے ہیں دونوں جہاں شاہِؐ دوسرا کے لیے
سجی ہے محفلِ کونین مصطفیٰؐ کے لیے

ہمیشہ مدحتِ خیرُؐالانام میں گزرے
دعا ہے عمر درود و سلام میں گزرے

ہے زمیں خاموش، چپ ہے آسماں، آہستہ چل
روبرو ہے روضۂ شاہؐ جہاں آہستہ چل
وصف کیا مجھ سے بیاں ہو شہِؐ ذیشاں تیرا
خود خداوندِ دوعالم ہے ثنا خواں تیرا

ان کی نعتوں کا ایک ایک لفظ، ایک ایک مصرع اور ایک ایک شعر عشقِ رسولؐ میں رقصاں دکھائی دیتا ہے۔ الفاظ گنجینۂ معنی کا طلسم، مصرعے کیف و مستی میں ڈوبے ہوئے، اور اشعار سرشاری و وجد آفرینی کا منبع ہیں۔ یہ ہے حافظ مظہر کی نعت جس میں کیفیاتِ روحانی اور مقاماتِ وجدانی کے طرفہ امکانات دکھائی دیتے ہیں اور انھیں ایک منفرد نعت گو بناتے ہیں۔ ان کے کلام کی سادگی اور اثر آفرینی میں تفہیمِ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا ایک جہاں آباد دکھائی دیتا ہے:

بے وضو عشق کے مذہب میں عبادت ہے حرام
ایک دن آئیں گے سرکارؐ قضا سے پہلے
نہ ہوگی تا قیامت ختم میری روح کی مستی
کیا ہے طواف میں نے سیدِؐ ذیشاں کے مرقد کا
چوموں گا ہر اک راہِ مدینہ کو نظر سے
شاید کہ وہ گزرے ہوں اسی راہ گزر سے
یہ تو طیبہ کی محبت کا اثر ہے ورنہ
کون روتا ہے لپٹ کر در و دیوار کے ساتھ

حافظ مظہر الدین مظہر کی نعت گوئی کی ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ آقائے نامدار کے وسیلے سے رب ذوالجلال کی بارگاہ میں سوال کرنے اور مانگنے کا قرینہ سکھاتی ہے۔ اور درس دیتی

ہے کہ بتانِ وہم وگماں کو چھوڑ کر ہمہ وقت حسنِ محبوب حق میں لا پتہ ہونے اور بحرِ عشق کی تہہ میں اترنے سے ہی گوہرِ آب دار اور معنیٔ نایاب ہاتھ آتے ہیں:

جب لیا نام نبیؐ میں نے دُعا سے پہلے
مری آواز وہاں پہنچی صبا سے پہلے
کر نہ منزل کی طلب ، راہنما سے پہلے
ذکرِ محبوب سنا ذکرِ خدا سے پہلے
حق سے کرتا ہوں دُعا پڑھ کے محمدؐ پہ درود
یہ وسیلہ بھی ضروری ہے دُعا سے پہلے

عشقِ رسولؐ نہ صرف ایک جذباتی کیفیت ہے بلکہ تخیل کی بے ساختگی، مئے محبت کی مستی، عشق کی سلطانی، اوس کے قطروں کی ٹھنڈک، فکر ونظر کی واردات، کیف ومستی میں ڈوبا ہوا نعرۂ مستانہ، دیوانگی وفرزانگی اور بے خودی کا امتزاج ہے۔ جس کا صلہ یا انعام سوز وگداز، شدتِ احساس اور پاکیزگیٔ جذبات، لفظوں کی روانی اور ہنر کی فراوانی ہے۔ بلاشبہ حافظ صاحب کی نعت ان تمام اوصافِ معنوی سے مزین ہے جو اپنے پڑھنے یا سننے والوں کو عشقِ رسولؐ سے سرشار کرتی ہے:

جبریلؑ بھی خادم ہے اسی بابِ کرم کا
جبریلؑ کو توقیر ملی ہے اسی در سے
جدائی میں بھی کب دل کا تعلق ٹوٹ سکتا ہے
سگانِ کوئے شہؐ سے ہے مرا یارانہ برسوں سے
آج مظہر سے سرِ راہ ملاقات ہوئی
آج ہم نے بھی سگِ کوئے مدینہ دیکھا
حضوری میں تو لب تک بھی نہ ہلنے پائیں گے مظہر

کرم خواجہؐ کا ہوگا اور طلب سے بیش تر ہوگا

حافظ مظہر الدّین مظہر کے نعتیہ مجموعے ''جلوہ گاہ'' کو سفرنامۂ حجاز سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ جس میں انھوں نے اپنے سفرِ حجاز کا احوال بہت احسن انداز میں بیاں کیا ہے۔ انھوں نے اس سفرِ مقدس کے دوران میں اپنی جذباتی کیفیات اور احساسات کو اشعار کے پیرائے میں اس طرح ڈھالا ہے کہ سفر کا تمام منظر قاری کی نظروں کے سامنے آجاتا ہے اور وہ خود کو حافظ صاحب کا ہم راہی تصور کرنے لگتا ہے:

کیسا مستی و کیف کا سماں تھا
جب میں رہِ طیبہ میں رواں تھا
وہ حاصلِ عمرِ بے خودی ہیں
اس رہ میں جو لذّتیں ملی ہیں
یہ دیوار و در شہرِ خیرالوریٰ کے
نشانات ربِّ غفور اللہ اللہ
اللہ اللہ یہ ہم سوختہ جانوں کا نصیب
کہ ترے سایۂ دیوار تک آ پہنچے ہیں

صوفی صافی دل ہونے کے باعث والہانہ پن ان کی نعتوں سے جھلکتا ہے۔ ان کی شاعری میں ہجرِ مدینہ سے پیدا ہونے والی تڑپ ہے۔ انھوں نے ایک مہجورِ مدینہ کی دلی کیفیات کو بڑے موثر انداز میں شعری جامہ پہنایا ہے۔ ان کی زبان سادہ اور تصنع سے پاک ہے۔ اس لیے ان کی سرشاری جذبوں کی زبان بن گئی۔ دراصل حافظ صاحب کے الفاظ میں جذبے کی صداقت، شدت، گہرائی اور رچاؤ ہے وہ عشقِ رسولؐ اور مدحتِ رسولؐ کے سبب سے ہے اور یہ رشتہ اتنا مضبوط ہے کہ ان کی نعتوں نے تشنگانِ محبت کو اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے۔

☆☆☆☆☆

انوارالکریمین

پروفیسر محمد انور بابر☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد شریف:

لائق حمد و ثنا اللہ عزوجل کی ذاتِ والا صفات ہے جس کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہیں۔ اگر کوئی اس کا شریک ہوتا تو اس کے بھی رسول آتے۔ اس کی سلطنت وحکومت کے بھی آثار دکھائی دیتے۔ اس کے افعال بھی ظاہر ہوتے، مگر نہیں وہ اللہ تو آپ ہی ہے جیسا کہ خود اس نے اپنے بارے میں فرمادیا ہے، اس کی حکومت میں کوئی شامل نہیں۔ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا۔ وحدت ویکتائی اس ذاتِ بے ہمتا کو زیبا ہے۔ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا۔ سب سے اول ہے مگر خود اس کی ابتدا نہیں۔ سب سے آخر میں ہے مگر خود اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ قلب کے تصور اور بصر کے ادراک پر اس کی ربوبیت موقوف ہو۔

کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے جمال اور جلال کا مظہر ہے۔ ہر شے میں وہی ایک جلوہ گر ہے:

تُو حقیقت میں تو افسانے میں کون؟
تُو ہے مکتب میں تو مے خانے میں کون؟
تُو ہے بستی میں تو ویرانے میں کون؟
تُو ہے کعبے میں تو بت خانے میں کون؟
دے رہا ہے دستک دل پر کون ہے
آپ اندر ہیں تو باہر کون ہے؟

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر (ر)، پوسٹ گریجویٹ کالج، لکی مروت

صد ہا درود و سلام ہوں حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر جو باعثِ تخلیق کائناتِ عالمین ہیں۔ اللہ عزوجل نے اپنی اطاعت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے مشروط رکھا ہے۔ قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں بائیس (۲۲) مقامات پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور بیس (۲۰) مقامات پر صرف اپنے رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور باقی پورے کلام پاک میں کہیں بھی ایک آیت ایسی نہیں جس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کا حکم ہو۔ یہ اس لیے کہ آپ کی ذات سے واسطہ اور وسیلے کا سلسلہ برقرار رہے۔

آپ علیہ السلام کی شان و منزلت میں آپ کی محبوب لختِ جگر خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ زہرہ بتول سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں:

یا خاتم الرسل المبارک ضوءہٗ
صلی علیک منزّل القرآنِ

''یا خاتمِ رسولاں صلی اللہ علیہ وسلم! آپ برکت و سعادت کی جوئے فیض ہیں۔ آپ پر تو قرآن نازل کرنے والے نے بھی درود بھیجا ہے۔''

آٹھ ذیعقد ۱۴۱۵ھ کی اُس رات پر سحر کی لاکھوں تابانیاں قربان ہو جائیں جب حرمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عشاء کی ادائیگی کے لیے میں نمازِ عشق ادا کرنے جنت البقیع کی طرف سے بابِ جبرئیل کے پہلو میں آیا اور گنبدِ خضریٰ کو پہلی بار دیکھا اور پھر دیکھتے دیکھتے دیکھتا ہی چلا گیا:

نگاہیں سیر ہوتی ہی نہیں ہیں
انھیں انورؔ اگر سو بار دیکھو

ستارے روضۂ اطہر کی ضیاپاشیوں کی تاب نہ لاتے ہوئے روپوش ہو گئے تھے اور نویں ذیعقد کے چاند کی کرنیں نور کی خیرات لینے کے لیے سرچشمۂ انوار کے سبز گنبد کے بوسے لے رہی

تھیں اور پھر ایک رات ۱۷ ذیعقد کی آئی جب بعد از نماز عشاء آخری سلام کے لیے مواجہ شریف کے سامنے حاضر ہوا اور نالۂ فراق عرض کیا اور حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی کی اجازت طلب کی:

لیتے رخصت ہیں ،جدائی کی گھڑی آ پہنچی
جاتے ہیں آپؐ کے مہمان مدینے والے
آپؐ کے کوچہ و بازار سے رخصت ہوکر
ہم مسافر ہیں پریشان مدینے والے

حضور سرورِکونین سے واپسی کی اجازت طلب کی اور بابِ بقیع کی راہ سے آقا ومولا کے روضۂ اطہر کو آخری بار دیکھا اور دیکھتا ہوا الٹے پاؤں پشت کے بل چلتا رہا، یہاں تک کہ روضۂ انور نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔۔۔آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔۔۔دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہونے لگی۔۔۔اور سوچنے لگا۔آہ! میری یہ آنکھیں گنبدِ خضریٰ کو پھر نہ دیکھ سکیں گی۔کیا یہ محبوب کے حسن و جمال کا آخری دیدار تھا؟ دل کو تسلی دی۔نہیں گھبراؤ نہیں۔ابھی تُو دور تو نہیں گیا۔ سبز گنبد چند قدم کے فاصلے پر ساتھ ہی تو ہے۔چنانچہ ایک جھلک پھر دیکھنے "عرشِ معلیٰ" کے پہلو میں آیا اور صاحبِ عرشِ مقیم کی زیارت سے مشرف ہوا اور پھر دیدار کرتے کرتے دائیں مڑا تو ایک بار پھر گنبدِ خضریٰ نظروں سے روپوش ہوگیا۔قیام گاہ کی طرف جانے لگا تو قدم بھاری ہوتے گئے اور پھر رُک گئے۔وارداتِ دل ناقابلِ بیان ہے اور ایک بار پھر محبوبِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے لیے روضۂ اقدس کے سامنے آیا اور پھر جدا ہوا۔کیسے جدا ہوا، کیوں جدا ہوا، اور ایسا جدا ہوا کہ پھر دیدار نہ ہوسکا۔مگر دل کو تسلی ہے۔روح کو قرار ہے کہ جدائی کے اس سلسلہ کے تار کا ایک سرا گنبدِ خضریٰ سے چند قدم کے فاصلے سے بندھا ہوا ہے اور ہنوز نہیں ٹوٹا۔یہی ناتا تو مجھے قربِ دوست کا احساس دلاتا ہے اور دوست سے جدا نہیں ہونے دیتا۔

حرمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ایک اور نظارہ بھی ہے جس کی کیفیت میں ہنوز کھویا

ہوا ہوں اور وہ نظارہ حرم کعبہ کا ہے۔ وہ ذی قعد کی چھٹی تاریخ تھی جب کوہ صفا اور مروہ سے ہوتے ہوئے باب سلام کے راستہ سے پہلی بار حرم شریف میں حاضر ہوا تھا اور بیت اللہ شریف کا پہلا دیدار کیا تھا اور غلافِ کعبہ کا بوسہ لیا تھا:

اس پردہ میں پوشیدہ لیلائے دو عالم ہے
بے وجہ نہیں بیدمؔ کعبہ کی سیاہ پوشی

کعبہ...... تیری عظمت کو سلام کہ تُو مرادِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
کعبہ...... تیری رفعت پر سلام کہ امام الناس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدومِ مبارک سے تجھے شرفِ باریابی بخشا۔
کعبہ...... تیری سطوت کو سلام کہ صفا، مروہ تیرے سامنے سرنگوں ہیں اور ان کے سینے اماں حاجرہ سلام اللہ علیہا کے قدموں کی برکتوں سے فیض یاب ہیں۔
کعبہ...... تیری طہارت پر سلام کہ تُو پائے اسمٰعیل علیہ السلام کے چشمۂ زم زم سے سیراب ہے۔
کعبہ...... تیرے تقدس کو سلام کہ ربِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے اپنا گھر ''بیت اللہ'' قرار دیا۔

اے گنبدِ خضریٰ کے دیوانو!
اے بیت اللہ کے پروانو!

آؤ، تھوڑی دیر کے لیے میرے ہم سفر، میرے ہم راز بن جاؤ تا کہ ہم سب مل کر دیدارِ حرمین شریفین سے چشمِ پُرنم کو ٹھنڈک پہنچائیں اور بے قرار دِلوں کو اطمینان کی دولتِ نایاب سے ہم کنار کر دیں۔

ترس رہی ہیں تری دید کو جو مدت سے
وہ بے قرار نگاہیں سلام کہتی ہیں

زائر مدینہ منورہ

من کی بستی کو بسائے سبز گنبد کی بہار
کشتِ جاں، مہکاتی جائے سبز گنبد کی بہار
ہر طرف انوار ہیں، روشن درودیوار ہیں
مہرومہ کو جگمگائے سبز گنبد کی بہار
روضۂ شاہِ اُمم کے سامنے ہے چاند ماند
نُور تاروں کا بڑھائے سبز گنبد کی بہار
زندگانی کی بہاریں اس کے پَرتو پر نثار
مانگ ہستی کی سجائے سبز گنبد کی بہار
ہجر کے حالات بدلے ،وصل کے لمحات میں
جلوۂ جاناں دکھائے سبز گنبد کی بہار
یارسول اللہؐ! تیرے دربارِ گوہر بار میں
سب کو سینے سے لگائے سبز گنبد کی بہار
میری آنکھیں دیکھتی ہیں روضۂ انور ہنوز
قلب و جاں میں رچتی جائے سبز گنبد کی بہار
وصل کی گھڑیاں ہیں پوری، ہجر کے آثار میں
ہر گھڑی اب تو رُلائے سبز گنبد کی بہار
گنبدِ خضریٰ کے سائے میں میسر ہے قرار
ہم نہ ہوں گے تا ابد انور رہے گی یہ بہار

اے اللہ! میں حاضر ہوں:

پتہ نہیں قبولیت کی وہ کون سی مبارک ساعت تھی کہ ادھر میں نے حجازِ مقدس میں حاضری

کی تمنا کی، اُدھر انوار لکریمین کی برسات ہوگئی اور بارگاہِ ربوبیت میں ''حضوری'' کی مہر ثبت ہوگئی:

کبھی تو بارشِ رحمت اِدھر بھی آ برسے
کہ میں بھی باندھ کے رختِ سفر چلوں گھر سے
طواف حسرتیں کرتی ہیں تیرے کوچہ کا
قریب کردے بہت دُور ہوں ترے در سے

مارچ کی ایک ڈھلتی دوپہر کو کالج سے گھر آیا تو دیارِ رحمت میں بلاوے کا مژدہ ملا۔ اس دن کی ڈاک میں وزارتِ مذہبی امور اسلام آباد کی طرف سے بھی میرے نام کا ایک کمپیوٹرائزڈ کارڈ شامل تھا، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

''محترم۔ السلام علیکم۔ آپ کو سفرِ حج مبارک ہو۔ اس خط کی پشت پر آپ کے سفر کی روانگی کا پروگرام درج ہے۔ آپ کو تاکید کی جاتی ہے کہ اس کے مطابق مقررہ تاریخ کو صبح ۹ بجے سے شام چار بجے تک بیت الحجاج بوائے سکاؤٹ ہیڈکوارٹر حیات آباد (پشاور) پہنچ کر متعلقہ عملہ سے رجوع کریں۔ ورنہ آپ کی نشست منسوخ کردی جائے گی۔ جو آپ دوبارہ نشست خالی کی صورت میں حاصل کرسکیں گے۔ مزید برآں دوبارہ نشست مختص کرانے کے لیے آپ کو پچیس (۲۵) سے پچاس (۵۰) فیصد اضافی کرایہ دینا پڑے گا۔ ''بصورتِ گروپ'' آپ کی رہائش و ٹرانسپورٹ کے لیے منہا شدہ رقم ضائع ہوجائے گی۔ والسلام۔

آپ کا مخلص

مبارک نامہ کی پشت پر ذیلی تفصیلات دی گئی تھیں:

پاسپورٹ/ درخواست نمبر: 51885803

پرواز نمبر، جہاز نمبر: PKI-427

بیت الحجاج پشاور پہنچنے کی تاریخ: 05-04-1995

پشاور سے جدہ کے لیے روانگی: 07-04-095

مدینہ منورہ کے لیے روانگی: 09-04-095

اس بابرکت سفر میں میری والدہ محترمہ بھی میرے ہمراہ تھیں۔ ان کو اسی قسم کا مکتوب وصول ہوا۔

اس سے قبل بھی ہم کو 15 فروری 1995ء کو حج کی منظوری کا اطلاع نامہ ملا تھا۔ جس میں گروپ نمبر کے علاوہ گروپ کے ارکان کی تعداد 34 اور گروپ لیڈر حاجی محمد زمان فروٹ مرچنٹ ساکن لکی مروت سے مطلع کیا گیا تھا۔ چنانچہ ہم نے حج مبارک کا داخلہ الائیڈ بنک لکی مروت برانچ میں مبلغ -/53,298 روپے فی کس کے حساب سے ادا کیا۔

بہرحال کالج سے واپسی پر حرمین شریفین میں حاضری کے اس مبارک والا نامہ کی موصولی سے جو کیفیت ہوئی، نا قابلِ بیان ہے۔ نگاہوں کے سامنے کعبۂ معظمہ اور گنبدِ خضرا کے اُجالے پھیلنے لگے اور اتنے پھیلے کہ لمحوں میں صدیوں کے فاصلے طے کر گیا:

نظر میں سبز گنبد کے اُجالے
ستارے ہیں، قمر ہے اور میں ہوں

سامنے گنبدِ خضریٰ تھا اور میں۔ اللہ اللہ! ایک رُوسیاہ بیت العروس کا سیاہ پردہ تھامے لیلائے دوعالم کے حضور حاضر تھا۔

کردے اپنا حنیف
دل کا بھی ، دل پھیر اَن دَاتا
منہ دَل کعبہ شریف

''رب ارنی'' کے ترانے کی حاجت نہ تھی۔ بس ایک ہی جست میں ''اللہ کے گھر'' میں رسائی ہوگئی اور زبان سے یہ نغمۂ بے خزاں غیر شعوری طور پر گونجنے لگا:

لبیک اللھم لبیک

میں حاضر ہوں۔ اے اللہ! میں حاضر ہوں۔

وزارتِ مذہبی امور سے لیٹر کیا آیا، مجھے میرے دل کے سوال کا جواب مل گیا:

سکوں ملے گا تبھی جب مدینے جاؤں گا
سوال یہ ہے کہ میں کب مدینے جاؤں گا؟

مبارک نامہ کو بار بار دیکھتا، ایک ہی سطر پر نگاہیں مرکوز ہو کر رہ جاتیں: مدینہ منورہ ،روانگی ۹راپریل اتوار ۱۹۹۵ء۔ اور میں سوچنے لگتا:

کہاں انورؔ کہاں بابِ منور
کرم آثار در ہے اور میں ہوں

زہے نصیب! کہاں میں اور کہاں سرکارِ ابدقرار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دربارِ گوہربار۔ کہاں میں اور کہاں دیارِ مدینہ کی گلیاں، کہاں میں اور کہاں ریاض الجنۃ اور جنت البقیع۔ کہاں میں اور کہاں سبز گنبد کے نظارے، کہاں ناچیز خاک اور کہاں خاکِ شفائے مدینہ، کہاں زمیں کی بلندی؟......خاک راچہ نسبت برعالمِ پاک

میں کہاں اور کہاں آپ کے کوچے کی بہار
اپنی قسمت پہ ہوں حیران مدینے والے

لیکن اُس رحمتِ بے کنار سے تو کچھ بعید نہیں۔ اُس ذاتِ بے ہمتا کی کرم گستری و شانِ کریمی کے کیا کہنے جو،

مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیمانؑ کردے

جوں جوں روانگی کے دن قریب آتے گئے، بے قراری بڑھتی گئی۔ بے قراری کو قرار آشنا کرنے کے لیے قلبی کیفیات کا اظہار اشعار میں ہونے لگا۔ یہ عقیدت نامہ پروفیسر افتخار احمد چشتی سلیمانی صاحب مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ ''روحانی پیغام'' فیصل آباد کو بھجوایا۔ انھوں نے مذکورہ منظوم محسوسات کو اپنے ماہنامہ میں ذیلی تعارفی نوٹ کے ساتھ شائع فرمایا۔

''ہمارے مکرم پیر بھائی اور ادارہ روحانی پیغام کے رکن پروفیسر محمد انور بابر صاحب حج

مبرور اور زیارت مقبول کی آرزو لیے جلد ہی اپنی حج پرواز پر فریضہ ادا کرنے جا رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں بامراد فرمائے۔ آمین۔ نعتیہ اشعار انھوں نے ارسال کیے ہیں، جو قارئین کی نذر کیے جا رہے ہیں۔" مدیر روحانی پیغام

غمِ دل سنانے کے دن آ رہے ہیں
مدینہ کو جانے کے دن آ رہے ہیں
چلیں گے مدینہ حجازی سفینے
نصیب آزمانے کے دن آ رہے ہیں
طوافِ حرم، حجرِ اسود کے بوسے
منیٰ میں ٹھکانے کے دن آ رہے ہیں
بداماں گہر ہائے اشکِ ندامت
خزانے لٹانے کے دن آ رہے ہیں
جہاں دست بستہ ہزاروں ملائک
وہاں سر جھکانے کے دن آ رہے ہیں
گناہوں کی بخشش، عطاؤں کی ثروت
کہ بگڑی بنانے کے دن آ رہے ہیں

گھر سے روانگی:

۵/اپریل ۱۹۹۵ء کی مبارک صبح رنگ و نور کے اُجالوں میں مدینہ منورہ کی مہکار لیے طلوع ہوئی۔

نسیما! جانبِ بطحا گزر کن

بعد از نمازِ فجر قافلہ کی صورت میں غریب خانہ سے روانگی ہوئی۔ لبوں پر دعاؤں کے نغمے مچلنے لگے۔

''اے اللہ! ہم تجھ سے اس سفر میں نیکی اور پرہیزگاری کا سوال کرتے ہیں۔ جن سے آپ راضی ہوں۔ اے اللہ! ہمارے اس سفر کو ہم پر آسان فرمادے اور اس کا راستہ جلد طے کرادے۔ اے اللہ! تو ہی ہمارا رفیقِ سفر ہے اور تو ہی ہمارے گھر والوں کی خبر گیری کرنے والا ہے۔ اے اللہ! میں سفر کی تکلیفوں سے اور واپسی کی پریشانیوں سے اور نفع کے بعد نقصان سے اور مظلوم کی بد دعا سے اور اہل وعیال اور مال ودولت کی بری حالت دیکھنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں''

بچوں سے پیار کیا۔ محلّہ بھر کی خواتین ملنے کے لیے آئی تھی۔ روانہ ہوتے ہی وہ والدہ سے گلے ملنے لگیں اور رونے لگیں۔ میں نے سب کو تسلی دی کہ یہ موقع رونے رُلانے کا نہیں، حق تعالیٰ ایسی مبارک گھڑیاں ہر کسی کو نصیب کرے۔ گھر کی دہلیز پر گھر والوں کو آخری نظر دیکھا اور دل سے دعا نکلی:

''اَسْتَوْدِعُکُم اللّٰہ الَّذِی لَا یَضِیْعَ وَدَائِعُہٗ''

گھر والو! میں تمھیں اللہ کے سپرد کر چلا ہوں جو اپنی امانتوں کو ضائع نہیں کرتا۔

کوچ آئی اور والدہ کو دیگر حج پر جانے والی خواتین کے ہمراہ گروپ لیڈر کے مکان پر لے چلی اور میں عزیز واقارب کے جھرمٹ میں مجوزہ مقام کی طرف روانہ ہوا۔

عاشق کا قافلہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

پانچ سالہ بلال میری انگلی تھامے، محمد اکبر، عابد حسین، عرفان احمد، بھائی محمد رستم، رئیس خان اور گل نیاز، دیگر دوست، احباب کی ہمراہی میں چلتے گئے۔ دیگر ملنے والے لوگ بھی قافلۂ حجاز میں شامل ہوتے گئے:

لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بڑھتا گیا

اور مجھے خیال آیا کہ آج اُسی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا گیا جو ایک عرصہ سے وردِ زبان اور وظیفۂ دل ہوا کرتی۔

شمع کی صورت جلیں داغ جگر
ہجر میں بے چین ہوں شام و سحر
آرزو انور ہے کہ در پیش ہو
لکی مروت سے مدینے کا سفر

ریلوے لائن کے قریب زمان ہاؤس پہنچے۔ جی ٹی ایس (G.T.S) کی بس پشاور جانے کے لیے لبِ سڑک تیار کھڑی تھی۔ دیگر عازمینِ حج بھی پہنچ رہے تھے۔ استقبال کرنے والوں کا ہجوم بڑھتا گیا۔ نوٹوں کے ہار اور پھولوں کے گجرے لٹائے جانے لگے۔ قطار در قطار لوگ نمبروار گلے مل مل کر الوداع کہنے لگے:

تکلف برطرف سرکارِ عالی
گلے ملنے کا موسم آگیا ہے

میں نے رخصت کرنے والوں کے چہروں پر ایسی ترستی ہوئی بھوری چمک دیکھی جو صدیوں کی ناآسودہ حسرتوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ملاقاتیوں کی ارمان بھری آنکھیں وہ التجا کر رہی تھیں جب ایسے مواقع پر ہماری چشم ہائے پُرنم کہا کرتی تھیں:

صد مرحبا اے عالمِ لاہوت کے طائر
اے زائرِ مکہ! اے مدینہ کے مسافر
اُس خاک کو اک بوسہ ہماری بھی طرف سے
جس خاک کا ہر ذرہ ہوا رشکِ جواہر

اللہ کے مہمان:

حضورِ مقبول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ حج اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں۔ جو کچھ وہ مانگتے ہیں، ان کو عطا ہوتا ہے اور جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں تو وہ (اللہ) انھیں ایک ایک درہم کے دس دس لاکھ عطا کرتا ہے۔ (بیہقی شریف)

مروی ہے کہ جب حاجی اپنے گھر سے نکلتا ہے تو خدا کی پناہ میں رہتا ہے۔ اگر ادائے حج سے قبل انتقال کر جاتا ہے تو بھی اس کا اجر خدا کے ذمہ ہے اور اگر باقی رہتا ہے یہاں تک کہ حج ادا کر لیتا ہے تو اس کے سارے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

ارادہ حج کے درجات:

حدیثِ مبارکہ میں وارد ہے کہ جو شخص حج کرنے کے ارادے سے اپنے گھر سے نکلتا ہے تو یوں گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے؛ جیسے آج ہی اپنے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو اور جب تک گھر واپس نہ آجائے اس کے لیے ہر قدم کے عوض میں ستر برس کی عبادت کا ثواب ہے اور واپسی پر چالیس روز تک اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور چار سو آدمیوں کی شفاعت اس کے گھر والوں میں سے مقبول ہوگی۔ (نزہت المجالس، جلد اول، ص ۱۴۲)

عازمِ طیبہ کی روانگی پر:

اللہ اللہ! منزلِ طیبہ کے مسافر کی کیا شان ہے؟ حق تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں ان کی منزلت و رغبت پیدا کر دی ہے کہ ایک عالم جوق در جوق ان پر ٹوٹا پڑتا ہے۔ انسان تو انسان ہے، مدنی سلطان صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مہمانوں پر تو فرشتوں کو بھی رشک آتا ہے:

حاجیوں کا آج ساحل پر سفینہ آگیا
دل مچلتا ہے تصور میں مدینہ آگیا
قافلوں میں مل کے جب مدنی کے مہماں چل پڑے
رشک سے جبریل کو اس دم پسینہ آگیا
صد مبارک ہو درِ حق تک رسائی ہوگئی
جس سے پہنچے راہی منزل تک وہ زینہ آگیا
حجرِ اسود سے لپٹ کر حاجی ہیں گریہ کناں
موسمِ برسات، اشکوں کا مہینہ آگیا

گنبدِ خضریٰ، صفا، مروہ، منیٰ، صلے علیٰ
آب زم زم کا لبوں پر جام و مینا آگیا
مہرومہ سے بھی فزوں رتبہ حلیمہ ہے ترا
تیری گودی میں اجالوں کا خزینہ آگیا
منہ کے بل گر کر بتوں نے قل ھواللہ کہہ دیا
جب حرم میں معرفت کا آبگینہ آگیا

بہرحال لکی مروت سے شہر و مضافات کے لوگوں نے اللہ کے ان مہمانوں کو اشک بار آنکھوں سے الوداع کیا:

اِک آگ سی دل پگھلاتی ہے جب لوگ مدینے جاتے ہیں
اشکوں کی جھڑی لگ جاتی ہے جو لوگ مدینے جاتے ہیں

حاجی کیمپ میں مصروفیات:

''بیت الحجاج'' واقع برائے سکاؤٹس ہیڈکوارٹر حیات آباد، پشاور کی بالائی منزل پر حجاج کرام کے لیے قیام کے انتظامات کیے گئے تھے۔ لمبی لمبی سڑکیں، ہال نما کمرے، سامنے برآمدے، غلام گردش، دومنزلہ عمارت، بسترے ترتیب سے بچھادیے گئے۔ ہم بھی برآمدہ کے ایک حصہ میں فروکش ہوگئے۔ اسی دن بینک سے رقم (برائے اخراجات) امریکی ڈالر ٹریولر چیک کی صورت میں ملی۔ کاش یہ رقم سعودی ریال میں دی گئی ہوتی۔ حج کا مبارک سفر، اور آغاز ہی میں امریکی ڈالرز؟ فرمودۂ اقبال ذہن کے کسی دریچے سے سنائی دینے لگا:

مثالِ ماہ دمکتا تھا جن کا داغِ سجود
خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی

الائیڈ بینک کی طرف سے حج بیگ اور واٹر باٹل (پانی کی بوتل) کے گفٹ بھی موصول

ہوئے۔ ترپن ہزار روپے فی کس کے حساب سے جمع کی گئی رقوم میں ذیلی اخراجات منہا کیے گئے:

۱۔	معلم فیس	۲۹۴ ریال
۲۔	کرایہ خیمہ منیٰ عرفات	۱۵۰ ریال
۳۔	کرایہ مکان مکہ مکرمہ	۱۲۹۰ ریال
۴۔	کرایہ مکان مدینہ منورہ	۲۰۶ ریال
۵۔	کرایہ بس جدہ تا مکہ تا مدینہ تا واپسی	۱۵۰ ریال
۶۔	کرایہ بس منیٰ، عرفات اور واپسی	۱۵۰
۷۔	بینک کمیشن	۲۱ ریال
۸۔	سعودی ریال کیش	۲۶ ریال
۹۔	امریکی ڈالر ٹریولر چیک	۵۶۰ ریال

انتظار کی گھڑیاں:

شب انتظار حاجی کیمپ میں گزاری۔ اگلے روز (۱۹۹۵-۴-۶) سارا دن وہیں قیام رہا اور پرسوں (۱۹۹۵-۵-۷) کو صبح چار بجے جدہ کے لیے فلائٹ (Flight) تھی۔ میں دن گزارنے پشاور کے نواح میں واقع دار منگئی نامی موضع میں چلا گیا جہاں میرے چچا غلام حسین بمعہ اہل وعیال رہائش پذیر تھے۔ وہاں خوب خاطر مدارت ہوئی۔ اہلِ محلّہ ملنے کے لیے آئے۔ عصر کو حاجی کیمپ آیا تو پتہ چلا کہ میری والدہ محترمہ بھی دیگر خواتین کے ہمراہ شاہین ٹاؤن میں مقیم رشتہ داروں کے ہاں گئی ہوئی ہیں۔ شام کو وہ بھی واپس آ گئیں۔

احرام باندھنا:

بعد از نماز عشا احرام باندھے، دو رکعت نفل ادا کیے اور عمرہ کی نیت کی:

اللھم انی ارید العمرة فیسرھالی و تقبلھا منی

''اے اللہ! میں عمرہ کی نیت کرتا ہوں تو اسے میرے لیے آسان کردے اور مجھ سے

قبول فرما۔"

دیارِ حبیب میں جانے کی گھڑیاں قریب آرہی تیں۔ انتظار کے لمحے ختم ہونے والے تھے۔ لیکن انتظار کا ایک ایک لمحہ کتنا قیامت آسا ہوتا ہے، یہ تو کوئی منتظرِ کوچہ یار سے پوچھے۔

مہینے وصل کے گھڑیاں کی صورت اُڑتے جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں

عازمینِ حج کے رنگ برنگے لباس احرام کے سفید لباس میں تبدیل ہونے لگے۔ ہر طرف حرمین شریفین کے باغات گلزارِ ابراہیمی کی خوشبو محسوس ہونے لگی۔ خیالات حقیقت کے روپ دھارنے لگے۔

احرام کی فضیلت:

نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ جب حاجی احرام باندھتے اور تکبیر کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے "میرے بندوں کو دیکھو کہ انھوں نے میرے گھر کے شوق میں لمبا سفر کیا ہے اور اپنا گھر بار چھوڑا ہے۔ ان کی تکبر و تحلیل سے زمین پُر ہے۔ تم گواہ ہو کہ میں ان سے خوش ہوں اور میں نے ان کی توبہ قبول کی اور ان کے گناہ بخش دیے۔۔۔ بہشت ان پر حلال اور دوزخ حرام کر دی۔ یہ میرے دوست ہیں اور میں ان کا دوست ہوں۔ یہ میری مِلک اور میں ان کا مالک ہوں اور ان سے حساب کتاب نہ کروں گا۔" (انیس الواعظین، ص۱۴۲)

بیت الحجاج سے ایئرپورٹ تک:

رات ایک بجے کسٹم کے عملہ نے سامان چیک کیا اور ایئرپورٹ بھجوا دیا۔ بعض عازمینِ حج کے سامان سے سگریٹ، نسوار کے پیکٹ نکال لیے لیکن انھوں (حجاج) نے چیکنگ کے بعد پھر سامان میں رکھ دیے۔ لاؤڈ سپیکر پر اضافی پاکستانی کرنسی نہ لے جانے کے اعلانات ہو رہے تھے، پھر بھی اکثر حجاج کرام کرنسی لے کر گئے اور متعلقہ نگران عملہ نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ البتہ سوہن حلوہ کے ڈبے عملہ والوں نے اپنے لیے رکھ لیے اور ایک ڈبا تو اُسی وقت کھول کر تناول کرنے لگے۔

روانگی سے ایک گھنٹہ قبل پی آئی اے (P.I.A) کی خصوصی کوچ میں ایئرپورٹ روانگی ہوئی۔ راستے میں "اللھم لبیک" کی تلبیہ کا ورد جاری رہا۔ ایک صاحب پڑھتے جا رہے تھے اور باقی طفلانِ مکتب کی طرح دھراتے جاتے تھے۔ ایسا پڑھنا، پڑھانا خلافِ سنت ہے۔ ہر عازم کو خود ہی تلبیہ پڑھنی چاہیے۔

ایئرپورٹ پر:

ایئرپورٹ پر ضروری کاغذات کی پڑتال ہوئی۔ عازمینِ حج کو کئی مراحل سے گزار کر خصوصی گاڑی کے ذریعے رن وے پر کھڑے ہوائی جہاز کے جوار میں پہنچا دیا گیا۔ پرواز کا نمبر PKI/727 تھا اور یہ ایک فُل سائز ایئرپلین تھا۔ جس میں چار سو سے زائد مسافروں کی گنجائش تھی۔ سیڑھی سے جہاز کے داخلی گیٹ تک پہنچے اور گیٹ میں کھڑی مسکراتی ایئرہوسٹس نے سیٹ تک لے جانے میں معاونت کی۔ جہاز میں اللہ کے نام پر قدم رکھا اور دعاؤں سے مبارک سفر کا آغاز ہوا۔

بسم الله و الحمدلله الذی هدانا للاسلام و علمنا. ...الخ

"ترجمہ: اللہ (کے بابرکت) نام سے میں سوار ہونا شروع کرتا ہوں اور سب تعریف واسطے اس اللہ کے جس نے ہمیں اسلام کے لیے ہدایت فرمائی اور ہمیں قرآن مجید سکھایا اور ہم پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر احسانِ عظیم فرمایا۔ شکر ہے اس ذاتِ پاک کا جس نے مجھے بہترین امت میں پیدا فرمایا جو لوگوں کی (بھلائی اور ہدایت) کے لیے نکالی گئی۔ پاک ہے وہ ذات جس نے مسخر کیا ہمارے لیے اس (سواری) کو اور نہیں تھے ہم اس کے (قابو) کرنے کے لیے طاقت رکھنے والے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں اور ہر طرح کی تعریف ثابت واسطے اللہ تعالیٰ کے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔

[جاری ہے]

☆☆☆☆☆

حاضریٔ رسول ﷺ

سعید اکرم☆

بُقعہ ٔ نور کے جلو میں

چھ سات منٹ درود و سلام کی صدائے بازگشت میں اسی طرح چلتے رہے۔ دونوں طرف کھڑی عمارتیں راستہ دیتی رہیں اور پھر دفعتاً آنکھوں کے آگے سے سارے پردے ہٹ گئے۔ مسجدِ نبوی بقعہ ٔ نور بنی ہمارے سامنے چمک دمک رہی تھی۔ سامنے کے اپنے چاروں میناروں کے جلو میں بابِ فہد پورے قد کے ساتھ کھڑا دعوت نظارہ دے رہا تھا۔ شمع پر گرنے والے پروانوں کا اس سے زیادہ خوبصورت منظر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ان گنت انسانوں کا ایک سیلِ رواں تھا جو ہر طرف سے مسجد کی طرف بڑھا جاتا تھا۔

خواتین بابِ فہد کے بائیں اپنے حصے کی جانب اور ہم دونوں بابِ فہد سے مسجد کے اندر داخل ہو گئے۔ فانوسوں کے علاوہ چھتوں اور ستونوں سے برف کے گالوں کی صورت میں اترتی روشنیوں میں وہ انسان تھے یا فرشتے، کوئی قیام میں، کوئی رکوع میں اور کوئی سجدے میں ہر طرف بارانِ نور، ہر جانب انعکاس طُور!

مسجد میں داخل ہوئے اور یہ عالم نور و سرور دیکھا تو مجھے وہ حدیثِ مقدسہ یاد آ گئی جو حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ''مسجدِ نبوی میں پہلا چراغ نو ہجری میں جلا اور یہ کہ ہمارے پاس اگر اتنا تیل ہوتا تو ہم ہانڈی میں ڈال لیتے۔''

میں چونکہ ساری عمر اردو پڑھتا اور پڑھاتا رہا ہوں اور شعر کا ذوق قدرت نے میری مٹی میں رکھ دیا ہے اس لیے بڑے شعرا کے خوبصورت اشعار بعض اوقات مجھ پر الہام بن کر اترنے لگتے ہیں۔ اس لمحے مجھے ماہر القادری کے یہ اشعار بڑے بروقت یاد آئے۔ انھوں نے کہا تھا۔

اشکوں سے تیرے دین کی کھیتی ہوئی سیراب
فاقوں نے ترے دہر کو بخشا سر وساماں

انسان کو شائستہ و خوددار بنایا
تہذیب و تمدن تیرے شرمندۂ احساں

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
سلام اس پر جو سچائی کی خاطر دُکھ اٹھاتا تھا
سلام اس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا

دل نے گواہی دی۔ یہ روشنیاں اُنھی اندھیروں کا دَین ہیں جن کے اندر شمع رسالت کے پروانے جلے اور زمانوں کو روشن کر گئے۔ ذرے ذرے کو منور کرتا یہ نور اُن نگینوں کی عطا ہے جو ان اندھیروں میں سورج بن کر طلوع ہوئے اور پھر غروب ہونا بھول گئے۔

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِ یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا

ہم دونوں باپ بیٹا، نرم اور گداز قالینوں پر چلتے آگے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ ترکوں کے بنے، مسجد کے صحن تک پہنچ گئے اور پھر جب گنبدِ حضریٰ پر نظر پڑی تو "لُوں لُوں" بول پڑی:

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ

گنبدِ سبز کو دیکھتے رہے، دیکھتے رہے۔۔۔اور پھر ذرا دیر بعد نگاہیں نیچے جھکیں تو نور کی بوچھاروں میں محبوب رب دو جہاں، وجہِ تخلیق کون و مکاں ﷺ کے حجرے کی سبز جالیاں نظر نصیب

ہونے لگیں۔دل چاہا، کاش پر لگ جائیں اور اِن پروانوں کے اوپر سے اڑتے اُن سبز جالیوں سے چمٹ جائیں اور پھر کبھی جدا نہ ہوں۔لیکن کیا کرتے کہ عازمین حج ایک دوسرے سے اس طرح جُڑ کر بیٹھے تھے کہ ان کے اندر سے آگے بڑھنا تو درکنار، اپنے قدموں پر کھڑا رہنا بھی وہاں غنیمت تھا۔ایسے میں درِ خواب سحر وا ہوتا رہا اور دِل کہتا رہا۔۔۔

بو بکر و عمر ، حیدر و عثماں کی ادائیں
آقا ! میں ترے در پہ کھڑا دیکھ رہا ہوں
اے گنبدِ خضریٰ ! ترا احسان ، مگر میں
سرکار کو خود جلوہ نما دیکھ رہا ہوں

پھر جہاں کچھ دیر پہلے کھڑا رہنا مشکل تھا، وہاں اب فیاضِ ازل نے اپنے محبوب ﷺ کے دربار میں بیٹھنے کو جگہ عطا کر دی۔نوافل پڑھے، دعائیں مانگیں، سجدے کیے؛ ایسے میں اشکوں نے دل کا خوب ساتھ دیا اور اس کا بوجھ ہلکا کرنے میں اس کی جی بھر کر مدد کی۔اور پھر جب مؤذن نے اذان دی تو اس کی آواز سے لگا کون و مکاں کے در و دیوار جاگ اٹھے ہیں۔اس پل مجھے حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ یاد آ گئے، اس پل وہ اذان یاد آ گئی جسے سن کر سارا مدینہ نیند سے بیدار ہو جاتا تھا۔اس پل مجھے وہ حبشی غلام یاد آ گیا جو رات بھر اس لیے نہیں سویا کرتا تھا کہ اسے صبح بہت سویرے اپنے آقا کے دروازے پر دستک دینا ہے اور ان کے لیے وضو کے پانی کا اہتمام کر کے رکھنا ہے۔۔۔وہ عاشق صادق یاد آ گیا جس کے پاؤں کی چاپ سن کر اس کے آقا سرِ خلد خوش ہو رہے تھے۔۔۔اور پھر وہ بلال یاد آیا جس نے مدتوں بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حسنین رضی اللہ عنہما کی فرمائش پر اذان دی تو مدینہ میں گلی گلی کہرام مچ گیا اور ہر کوئی دھاڑیں مارتا باہر نکل آیا۔

پھر مکبر نے تکبیر کہی اور ہجومِ عاشقاں نے نماز شروع کی تو میرا طائرِ خیال مجھے کھجور کے پتوں سے تنی چھت اور سنگریزوں سے بچھے فرش والی اُس کچی مسجد میں لے گیا جو پوری کائنات کا دل قرار پائی، جہاں مجھے آقائے دو جہاں ﷺ امامت فرماتے یوں نظر آئے کہ آپ کے پیچھے ادھر

صدیق کھڑے ہیں تو ادھر فاروق ؓ؛ ادھر ذوالنورین ہیں تو ادھر حیدرِ کرار؛ ادھر بلال ہیں تو ادھر سلمان۔۔۔۔اور آپ رکوع میں جاتے ہیں تو کائنات کا ذرہ ذرہ رکوع میں چلا جاتا ہے۔آپ سجدے میں جاتے ہیں تو چاند ستارے سربسجود ہو جاتے ہیں۔۔۔

نماز کے بعد وہیں بیٹھے رہے اور دیر تک حضرت سید الکونین ﷺ کے پہلو نشین، قطعہ خُلدِ بریں میں محفلِ عشاق کو تکتے رہے یہاں تک کہ مسجد کے صحن کے اوپر ستاروں سے مزین آسمان نے سیاہ پیرہن اتارا اور زمردیں لباس زیبِ تن کر لیا۔سورج کی روپہلی کرنوں سے گنبدِ خضریٰ جگمگایا تو دولتِ لطف سے دل و نگاہ کی جھولیاں بھر گئیں۔روح فرطِ انبساط سے جھوم اٹھی اور گویا ہوئی:

زہے قسمت، پئے گریہ یہ چشمِ تر میسر ہے
ہمیں دیکھو، ہمارے سر کو اُن کا در میسر ہے
یہیں عرشِ معلیٰ ہے، یہیں بابِ ثریا ہے
تخیل کو یہاں روح الامیں کا پَر میسر ہے

محمد احمد سے کہا "بیٹے! عشاق کے اس ہجوم سے گزر کر رحمتِ کائنات ﷺ کے حضور پہنچنا مشکل نظر آتا ہے لیکن سلام پیش کیے بغیر لوٹ جانا بھی ممکن نہیں۔کیا، کیا جائے!" اور پھر ہم دونوں باپ بیٹا یہ سوچتے، باتیں کرتے دائیں ہاتھ کے برآمدوں سے گزرتے مسجد سے باہر نکل گئے۔باب عبدالسلام [باب السلام] پر زائرین کے بڑے ہجوم کو دیکھ کر مجھے تقریباً پچیس سال پہلے کے وہ دن یاد آ گئے۔جب بڑی آسانی سے اسی راستے اندر جا کر سرکارِ دو عالم ﷺ کے قدموں میں کھڑے ہو کر خالقِ کون و مکاں سے اس بیٹے کی خیرات مانگی تھی۔اب جیسے ہی وہ گھڑیاں یاد آئیں، میں گویا پھر سے جوان ہو گیا۔اپنے آپ سے کہا اگر آج بیٹے کو لے کر آپ کے حضور نہیں پہنچا تو احسان ناشناسی کے احساس سے عمر بھر چھٹکارا نہ مل پائے گا۔باب عبدالسلام [باب السلام] سے اندر داخل ہوئے تو محمد احمد کے سامنے کی طرف پورے کھلے بازوؤں کی حفاظت میں

حاضری کے لیے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ مجھے یاد آیا آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

''جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس نے گویا میری زیارت کی۔''

''جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہو گئی۔''

امیدوارِ خیر کے اس نورِ یزداں میں چلتے اور اونچی آوازوں میں درود و سلام کا ورد کرتے آگے بڑھتے رہے۔ کوئی اور جگہ ہوتی تو دم گھٹ گیا ہوتا لیکن وقت صبح کا تھا اور خوشبوؤں سے لدی ہلکی ہلکی ہوا کے سبب تازگی فزوں تر ہوتی جا رہی تھی۔ کوئی بیس منٹ اسی طرح چلا کیے تو ریاض الجنہ [ریاض الجنۃ] کی سبز روشنیاں ہجوم کے اندر سے جھانک جھانک کر دیکھنے لگیں۔

بابِ عبدالسلام [باب السلام] سے بابِ بقیع تک بڑی خوبصورت (جنت کی) گیلری ہے۔ نورِ ازل نے اسے اپنا مستقل ٹھکانا بنا رکھا ہے۔ سقف و بام روشن تو دیواریں روشن تر۔ چاہیے تو یہ کہ تشنگانِ مئے عشق آئیں، لبِ کوثر اپنا اپنا سبو بھریں اور آگے بڑھ جائیں لیکن کیا کیا جائے روزِ ازل سے ان پیاسوں کا، جو سحر دم یہاں آ کر ڈیرہ لگا لیتے ہیں اور ہم فقیرانِ بے نوا کو آگے بڑھنے کا رستہ بھی نہیں دیتے۔ لیکن۔۔۔! حضرت رسول ﷺ کے یہ درویش بھی کیا کریں۔ وہاں سے اٹھ جانا، ان کے بس میں کہاں ہوتا ہے۔۔۔!

اب ریاض الجنہ [ریاض الجنۃ] ہمارے بائیں ہاتھ تھا۔۔۔ اب حجرہ مبارک کی سبز جالیوں پر عرشِ بریں سے ہر دم اترتی روشنیاں ہمیں ہاتھوں میں اٹھا لینے کو بڑھی آتی تھیں اور کیوں نہ آتیں کہ ہم مہمان کس شہنشاہ کے تھے۔۔۔ دیکھا تو اب سونے کے چمکتے دائرہ نما نشان کے سامنے کوئی ہاتھ اٹھائے، کوئی ہاتھ باندھ، کوئی دیدہ ہائے شوق وا کیے اور کوئی چشمِ نم بند کیے، زندگی کے یہ لمحے امر کر رہا تھا۔۔۔ اور میں سب سے الگ اپنا حال بیان کرتے کہہ رہا تھا۔

''اے ربِ کائنات! تو نے اپنے محبوب ﷺ کے صدقے مجھے یہ نعمتِ بے بہا (احمد کی طرف اشارہ کر کے) عطا کی تھی۔ اب میں تیری اونچی شان کے صدقے تیری یہ نعمت تیرے محبوب ﷺ کی غلامی میں دینے آیا ہوں۔ اے ربِ مصطفٰی ﷺ، میرا نذرانہ قبول کر۔''

الصلوٰۃ والسلام علیک ایھا النبی ؐ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا عظیم گھڑیاں تھیں کہ پھر کہا۔

السلام علیک ابا بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، السلام علیک عمر الفاروق رضی اللہ عنہ

بابِ بقیع سے باہر نکلے تو جیسے زندگی اپنی معراج سے ہو آئی تھی۔ دیکھا تو زیبا، راحت اور سدرہ نیند بھری آنکھیں لیے انتظار میں کھڑی تھیں۔ تب خواہش کے باوجود جنت البقیع کی زیارت کا پروگرام آئندہ صبح تک ملتوی کیا کہ اب تھکاوٹ اور رتجگے کے باعث کھڑا رہنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

دوسرے روز صبح کی نماز کے فوراً بعد جنت البقیع کے مین گیٹ پر پہنچ گئے۔ گیٹ اسی وقت کھل رہا تھا۔ ہم دونوں باپ بیٹا تو دوسرے زائرین کے ہمراہ اندر چلے گئے لیکن کیونکہ خواتین کا اندر جانا منع ہوتا ہے۔ اس لیے وہ تینوں ماں بیٹیاں باہر کھڑی جالیوں میں سے ہی اندر کے منظر کی زیارت کرتی رہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سمیت ہزاروں عظیم ہستیاں یہاں محوِ استراحت بتائی جا رہی تھیں۔ لیکن کسی قبر کی کوئی نشان دہی، کوئی پہچان نہ تھی۔ قبریں تھیں یا محض مٹی کی ڈھیریاں، دور دور ادھر ادھر بکھرے خشک پتھر، کوئی نام، نہ کوئی نشان، کوئی لوح نہ کوئی کتبہ۔۔۔! لیکن دل کی ہر دھڑکن گواہی دے رہی تھی کہ اس میں کیا شک ہے کہ سورج صرف ان خفتگانِ خاک کی سلامی کو طلوع ہوتا ہے۔ چاند ستارے صرف یہاں کی مٹی کے ذروں سے نور کی خیرات لینے کاسہ بہ دست حاضر ہوتے ہیں اور زمین صرف ان ہمیشہ کے لیے زندہ ہستیوں کے صدقے سانس لیتی اور کروٹیں بدل بدل کر نئے موسموں کی تصویر یں دکھاتی رہتی ہے۔

مدینۃ النبی ﷺ میں ہمارا قیام نو دن رہا۔ دن کے وقت اور بالخصوص ظہر اور عصر کے درمیان یہ اوقات میں ہر روز میری یہ کوشش رہتی کہ کسی طرح آپ ﷺ کے حجرہ مبارک کے پہلو میں اصحابِ صفہ کے چبوترے پر تھوڑی سی جگہ مل جائے اور پھر جتنی دیر ممکن ہو آنکھیں بند کر کے

حضرت بلال حبشی، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوالدرداو غیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے سوکھی کھالوں والے اور بکھرے بالوں والے شمع رسالت کے پروانوں کی بیٹھک میں بیٹھا رہوں۔ یہ وہ اللہ والے اور بکھرے بالوں والے شمع رسالت کے پروانوں کی بیٹھک میں بیٹھا رہوں۔ یہ وہ اللہ والے لوگ تھے کہ اپنے آقا ﷺ کے سوا جن کا کوئی والی نہ تھا۔ جنہیں درگاہ رسالت سے کچھ مل جاتا تو کھا لیتے، کچھ میسر آجاتا تو تن ڈھانپ لیتے۔ یہ وہ غلام تھے جو اپنے آقا ﷺ کے اشارے پر زندگی تک وار دینے کو تیار رہتے۔ یہ وہ مہاجرین تھے جو اپنا گھر، اپنے پیارے اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر آقا ﷺ کے در پر آپڑے تھے۔ یہ وہ عاشقانِ صادق تھے جو والیٔ کونین ﷺ کے وضو سے گرنے والے پانی کے ایک ایک قطرے کو اپنی آنکھوں سے لگا لینے کے لیے موقع کی تلاش میں رہتے۔

اصحابِ صفہ کے باب میں شبلی نعمانی لکھتے ہیں ''صفہ سائبان کو کہتے ہیں۔ یہ ایک سائبان تھا جو مسجدِ نبوی کے ایک کنارے پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا۔ اصحابِ صفہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضور ﷺ کی تربیت پذیری پر نذر کر دی تھی۔ دن کو بارگاہِ نبوت میں حاضر رہتے، حدیثیں سنتے اور اسی چبوتر پر پڑے رہتے۔۔۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور چھت میں لگا دیتے۔ کھجوریں جو ٹپک ٹپک کر گرتیں، اٹھا کر کھا لیتے۔ کبھی دو دو دن کھانے کو کچھ نہ ملتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے۔ یہ لوگ آ کر نماز میں شریک ہوتے۔ لیکن بھوک اور ضعف کی وجہ سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے۔ باہر کے لوگ آتے انہیں دیکھتے اور سمجھتے کہ یہ دیوانے ہیں۔ آنحضرت ﷺ ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے کہ جب ایک دفعہ آنحضرت سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے درخواست کی کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہیں، مجھ کو ایک کنیز عطا ہو تو فرمایا:

''یہ نہیں ہو سکتا، میں تم کو دوں اور صفہ والے بھوکے رہیں''

ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی۔ ان کی مجموعی تعداد چار سو تک تھی۔۔۔ مجھے جب بھی

فرشتوں سے پاکیزہ ان ہستیوں کے آستانے پر بیٹھنے کو چند گھڑیاں نصیب ہوجاتیں تو میں تصور ہی تصور میں دیکھتا کہ جبریل اپنے ساتھیوں سمیت آسماں سے التزاماً اتر کر انہیں پنکھا جھل رہے ہیں۔ان کی جماعت میں بیٹھ کر کلام رب العالمین پڑھ، پڑھا رہے ہیں اور کبھی خلدِ بریں سے انار اور انگوروں کی سوغاتیں لا لا کر انہیں پیش کر رہے ہیں۔اور ایسے میں وہاں سے جب کبھی حجرہ رسول ﷺ پر نظر جا پڑتی تو یوں لگتا جیسے سب مل کر کہہ رہے ہوں:

سلام اے آمنہ کے لال ، اے محبوب سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات ، فخرِ نوعِ انسانی
سلام اے ظلِّ رحمانی ، سلام اے نورِ یزدانی
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی

پھر اس نغمے کو سنتے میرے ہاتھ بھی اوپر اٹھ جاتے اور میں بھی انہیں دیکھ کر مانگنے لگتا۔

ترا در ہو ،مرا سر ہو ،مرا دل ہو ، ترا گھر ہو
تمنا مختصر سی ہے، مگر تمہید طولانی

یوں تو پیغمبر دو جہاں، فخر کون ومکاں ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا ہر پل اور ہر قدم انقلاب آفریں تھا لیکن مدینے میں تشریف لانے کے بعد آپ کے جس بے مثال عمل نے انسانی زندگی کے سفر کو محبتوں کے سفر میں بدل دیا وہ آپ کا اعلان مواخات تھا۔انصار اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارے کے رشتے نے ایثار اور قربانی کی وہ مثال دنیا کے سامنے پیش کی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔مکی اور مدنی بھائی آپس میں ملے تو وہ خاندان ظہور پذیر ہوا جس نے آگے چل کر تمام انسانوں کو واقعتاً بھائی بھائی بنا دیا۔مدینہ میں اپنے قیام کے دوران مجھے جب بھی رسول رحمت ﷺ کے اس تاریخی فیصلے کا خیال آتا، مجھے پوری دنیا اس پھول کی خوشبو سے سرشار نظر آنے لگتی اور مدینے کا ذرہ ذرہ اس کی گواہی دیتا دکھائی دیتا۔

ان الذین امنوا وھاجروا وجٰھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ والذین اٰووا

ونصروا اُولٰئک بعضھم اَولیاء بعض ۔ (الانفعال۔۷۲)

''جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں اور اپنے مال کھپائے اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی ایک دوسرے کے ولی ہیں۔''

[تکبیرِ حرم]

☆☆☆☆☆

نذر صابری کی ڈائری کا ایک ورق

ہمت

کیا انسان کی ہمت خدا کے مقدرات کو شکست دے سکتی ہے۔ توفیقِ اصلی کیا ہے [؟] کیا وہ کافر کو بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ کیا شیطان جس کو مہلت دی گئی ہے خدا کا منکر ہے۔ نہیں مجرم ہے۔ کیا مہلت کو ہم توفیقِ ایزدی کا نام دے سکتے ہیں۔ نہیں تو پھر یہ کیا ہے۔ مولا علیؑ کے ارادے ٹوٹ جاتے ہیں تو ان کو خدا نظر آتا ہے۔ گویا توفیقِ الٰہی کا حاصل نہ ہونا بھی خدا شناسی کا ذریعہ بن جاتا ہے اور یہ فریب ٹوٹ جاتا ہے کہ میں بڑا طاقت ور ہوں اور اپنے ارادوں پر قادر ہوں۔ نپولین کا یہ کہنا کیسا ہے کہ میری ڈکشنری میں شکست کا کوئی لفظ نہیں۔ یہ دراصل ہمتِ مرداں مددِ خدا کا شاخسانہ ہے۔ خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

ہمت بلند دار کہ نزدِ خدا و خلق
باشد بہ قدرِ ہمتِ تو اعتبارِ تو

لقد جف القلم کہ قلم خشک ہو گیا ہے۔ اس نے جو کچھ لکھنا تھا لکھ دیا ہے۔ اب اس میں ردوبدل نہیں ہوگا لیکن قرآن ہی میں اسیرانِ بدر اور واقعۂ افک میں خدا کا یہ قول بھی ہے کہ اگر ہم نے پہلے سے نہ لکھ دیا ہوتا تو ہم یہ کچھ ان کے ساتھ کرتے اور پھر معراج کی شب کہ میں اتنا عروج کر گیا تھا کہ میں نے کلکِ تقدیر کے چلنے (چرچر) کی آواز سنی۔ یہ ایسے ہی ہے کہ میں نے شبِ معراج نوح کو کشتی (چلاتے) ہوئے دیکھا یہ ماضی کو بصورتِ حال دیکھنا کیونکر ہے اس کو سمجھنے کے لیے ذرا غایۃ الامکان۔۔۔کا مطالعہ فرمائیں۔

عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

۱۶،۱۷،جنوری۔ پیر، منگل

پیغامِ اقبال

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سُوئے کوفہ و بغداد
یہ مدرسہ ، یہ جواں ، یہ سرُور و رعنائی
انھی کے دم سے ہے میخانۂ فرنگ آباد
نہ فلسفی سے ، نہ مُلاّ سے ہے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت ، وہ اندیشۂ نظر کا فساد
فقیہِ شہر کی تحقیر ! کیا مجال مری
مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کُشاد
خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرتِ پرویز
خدا کی دین ہے سرمایۂ غمِ فرہاد
کیے ہیں فاش رُموزِ قلندری میں نے
کہ فکرِ مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد
رِشی کے فاقوں سے ٹُوٹا نہ برہَمن کا طِلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

[بالِ جبریل]

☆☆☆☆☆

قسط۔۔۔٦

توحید خالص

حضرت خواجہ غلام زین الدینؒ

دوسرا لفظ شرک ہے۔ جاننا چاہیئے کہ شرک بہ لحاظِ لغت کے مطلق حصہ وار ہونے کو کہتے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں رب تعالیٰ کی ذات یا صفات یا احکام یا افعال میں کسی غیر کو رب تعالیٰ کے برابر مساوی سمجھ لینے کا نام شرک ہے اور کفارِ عرب کا شرک پانچ اقسام کا تھا۔

قسم اول:۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کا بالکل انکار؛ اور اللہ تعالیٰ کو سب صفاتِ زمانہ کے لیے ثابت کرنا اور زمانہ کو مستقل موثر حقیقی سمجھنا۔ ان کو دہریہ اور کمیونسٹ کہتے ہیں۔ اس عقیدہ میں زمانہ کو اللہ تعالیٰ کے مثل اور مساوی جاننے سے شرک لازم آگیا۔

دوسری قسم:۔ اللہ تعالیٰ کو خالقِ اشیاء ماننا؛ مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی مستقل خالقوں کا وجود ماننا۔ جیسے خالق خیر یزدان و خالق شر اہرمن۔ اس عقیدہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے مساوی اور خالق ماننے سے شرک لازم آگیا۔

تیسری قسم:۔ اللہ تعالیٰ کو واحد ماننا مگر اس کی اولاد لڑکے یا لڑکیاں ماننا۔ اور اولاد ماں باپ کے ساتھ مساوی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ بھی شرک ٹھہرا۔

چوتھی قسم:۔ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا مگر ساتھ ہی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ایک بار پیدا کر کے تھک گیا ہے۔ اب اس کی خدائی کو چلانے والے یہ ہمارے معبود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کچھ بھی نہیں کرتا۔ سب کچھ ہمارے معبودوں کے اختیار میں ہے۔ اس عقیدہ کا شرک ہونا بھی ظاہر ہے۔

پانچویں قسم:۔ اللہ تعالیٰ کو واحد خالق ماننا مگر یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ عالم کے کاروبار چلانے میں ہمارے معبودوں کا محتاج ہے۔ یہ اس کی بادشاہی میں دخل دینے والے ہیں جیسے اسمبلی کے ممبر کو گورنر بغیر منظوری ممبران کے کوئی کام نافذ نہیں کر سکتا اور جیسے کہ ممبران باوجود تابع اور رعایا ہونے کے بادشاہ پر دھونس اور غلبہ رکھتے ہیں کہ اگر بادشاہ کی مرضی کے خلاف ہوا تب بھی وہ اپنے

غلبہ اور دھونس سے اپنی مرضی کے مطابق کام کرا سکتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے معبود دھونس سے شفاعت کرتے ہیں کہ ان کی بات خدا کو مجبوراً ماننی پڑتی ہے۔ ہمارے معبودوں کے دخل کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی کام چلا نہیں سکتا۔ اس عقیدہ کا شرک ہونا اظہر من الشمس ہے۔ ان پانچوں قسم کے شرک کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ ذکر فرما کر مفصلاً ہر ایک کی تردید فرمائی ہے اور سب اقسام کی تردید اجمالاً سورۃ اخلاص میں فرمادی ہے۔ یعنی قُلْ هُوَ اللّٰه دہریہ کا رد اَحَد" دوسرے قسم کے شرک کا رد اَللّٰهُ الصَّمَد تیسرے قسم شرک کا رد لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَد چوتھے قسم کا رد وَلَمْ یَکُنْ لَهٗ کُفُواً اَحَد"، پانچویں قسم شرک کا رَد۔

خلاصہ یہ ہے کہ شرک کا مدار مساوات و برابری پر ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ، اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، یعنی کفار مشرکین قیامت کے دن اپنے معبودوں سے کہیں گے۔ قسم ہے اللہ کی ہم کھلی گمراہی میں تھے کہ ہم تم کو رب العالمین کے مساوی و برابر جانتے تھے اور کفر و شرک سے عام ہے ہر شرک، چونکہ اس سے انکار الوہیت لازم آجاتا ہے۔ [جو] اور کفر ہے اور ہر کفر جس میں مساوات کا دخل نہ ہو شرک نہیں۔ اب صاحبِ عقلِ سلیم شرک کے معنی کو صحیح طور پر ذہن نشین کر لینے کے بعد اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ متبعین خوارج کا یہ اعتراض کہ مشرکین اپنے بتوں کو خدا تعالیٰ کے ہاں سفارشی اور خدا رسی کا وسیلہ مانتے تھے اور مسلمان انبیاء اور اولیاء کو شفیع اور وسیلہ مانتے ہیں تو ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ کفار اس عقیدہ کی وجہ سے مشرک اور مسلمان اس عقیدہ سے مومن۔ یہ فرق کیوں ہے۔ [؟] جیسے کفار کے اصنام غیر اللہ ہیں۔ اسی طرح یہ غیر اللہ ہیں۔ مردود اور ناقابلِ سماعت ہے۔ کیونکہ فرق دو وجہ سے ہے۔ ایک یہ کہ کفار خدا کے دشمنوں کو سفارشی اور وسیلہ مانتے تھے جو کہ اس کے اہل نہیں جیسا کہ قرآن کریم نے اس کے متعلق تصریح فرمائی ہے اور مسلمان اللہ تعالیٰ کے محبوبوں، مقربوں کو شفیع اور وسیلہ جانتے ہیں۔ دیکھو گنگا کی تعظیم کفر، آبِ زمزم کی تعظیم ایمان، حالانکہ دونوں پانی ہیں۔ بت کی تعظیم کفر، کعبۃ اللہ مقامِ ابراہیم، حجر اسود کی تعظیم ایمان، حالانکہ پتھر ہونے میں برابر ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کفار اپنے معبودوں کو دھونس کا شفیع مانتے تھے۔ خدا تعالیٰ کا مقابل سمجھتے تھے کہ وہ اپنی دھونس اور غلبہ سے خدا سے کام کرا سکتے ہیں اور مسلمان انبیاء اور اولیاء کو اللہ کا بندہ اللہ کا محتاج، اللہ کے اذن و اجازت سے سفارش کرنے والا مانتے ہیں تو معیار ایمان کفر اذن اور مقابلہ ہے اور متبعین خوارج کا یہ اعتراض کہ، کفار بتوں کو خالق رازق، مالک۔ محی ممیت [محی و ممیت] نہیں مانتے تھے۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لیے مانتے تھے۔ بتوں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور بندہ مانتے تھے۔ مگر ان کے لیے فریادرس ہونا، مشکل کشا ہونا، شفیع ہونا، حاجت روا ہونا، دور سے پکار سننے والا عالم الغیب ہونا، اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ ہونا، یہ صفات ان کے لیے ثابت کرتے تھے۔ لہٰذا قرآنی فتویٰ سے وہ مشرک ہوئے تو جو مسلمان کہ انبیاء اور اولیاء کے لیے یہی صفات مانے، گو اِن کو خدا کا بندہ ہی کیوں نہ مانے، قرآنی فتویٰ سے مشرک ہے کیونکہ ان صفات کا کسی غیر اللہ میں ماننا اس کو خدا کے برابر اور مساوی ماننا ہے اور یہ شرک ہے۔

مطلب یہ کہ مافوق الاسباب امور میں کسی کو متصرف ماننا خدا ماننے کے مرادف ہے اور یہ شرک ہے، کس قدر لغو اور پوچ ہے اور قرآن پر افترا ہے۔ دیکھو قرآنِ کریم عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے مردوں کا زندہ کرنا؛ مادرزاد اندھوں کا بینا کرنا، کوڑھیوں کو شفا دینا باذن اللہ ثابت ہے۔ یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی قمیض سے اپنے والد کی نابینا آنکھ کا باذن اللہ بینا کر دینا، سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا تین میل کے فاصلہ سے چیونٹی کی آواز سن لینا، آصف بن برخیا کا مسافتِ بعیدہ سے تختِ بلقیس کو آنکھ جھپکنے کی دیر میں حاضر کر دینا۔ ملائکہ کرام کا باذن اللہ عالم میں تصرف کرنا ثابت ہے اور یہ سب مافوق الاسباب امور میں تصرف ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تصرف مافوق الاسباب اگر کسی شخص کے لیے بلا استقلال خدا کے مقابلہ میں مانا تو شرک ہے اور اگر باذن اللہ وعطائے الٰہی مانا جاوے تو عین ایمان، فرق وہی اذن اور مقابلہ کا ہے۔ یہ ایک سخت مغالطہ ہے جو کہ متبعین خوارج نے عوام مسلمانوں کو اس سے گمراہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے شر سے ہر مسلمان کو بچاوے۔ آمین۔

تیسرا لفظ ولی، ولی کا معنی باعتبار لغت کے قریب، والی، حمایتی ہے اور اصطلاح قرآنی

میں آٹھ معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اول۔ بمعنی دوست۔انما ولیکم الله ورسوله والذین امنو.

دوم۔ مددگار۔فان الله هو مولاه وجبریل وصالح المومنین.

سوم۔ بمعنی والی۔واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا.

چہارم و پنجم۔بمعنی قریب۔یامالک. النبی اولی بالمومنین من انفسھم ۔

ششم۔ بمعنی وارث .اولیک بعضھم اولیاء بعض۔

ہفتم۔ بمعنی ہادی۔الله وَلیُّ الذین امنو.

ہشتم۔بمعنی معبود۔والذین اتخذو من دونه اولیاء،

چوتھا لفظ من دون الله مفسرین کرام نے لفظ دون کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ "دون" تجاوز کے معنی میں مستعمل ہے۔یعنی ایک چیز کو چھوڑ کر دوسری چیز کی طرف جانے میں لفظ "دون" استعمال ہوتا ہے۔جیسا کہ آیتِ شریفہ وادعو شھداء کم من دون الله کی تفسیر صاحب روح المعانی فرماتے ہیں۔"بلاؤ معارضہ کی طرف ان کو جو تمھارے مددگار ہیں اور حاضر ہیں اللہ کو چھوڑ کر"۔مطلب یہ ہے کہ "دون" کا ترجمہ جو غیر اللہ کیا جاتا ہے اس سے مراد مطلق غیر نہیں ہوتا بلکہ اس میں یہ معنی چھوڑ دینے کا اور مقابلہ کا ملحوظ ہوتا ہے کیونکہ اگر "دون اللہ" کا ترجمہ مطلق غیر اللہ کیا جاوے اور معنی مقابلہ وچھوڑ دینے کا لحاظ نہ رکھا جاوے تو آیاتِ قرآنیہ میں تعارض ہو جاوے گا اور بعض جگہ بالکل معنی درست نہ ہوگا۔جیسا کہ آیتِ کریمہ "ومالکم من دون الله من ولی ولا نـــصیـــر" یعنی نہیں ہے تمھارے لئے بغیر اللہ کے کوئی ولی اور نہ کوئی نصیر اور آیتِ کریمہ "واجعل له من لدنک[ولیا] واجعل لنا من لدنک نصیرا" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ؛کمزور مسلمان جو کفار کے نرغہ میں پھنسے ہوئے ہیں یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمارے واسطے اپنے نزدیک سے کوئی والی اور نصیر بنا۔اگر پہلی آیات میں یہی معنی کیا جاوے کہ اللہ کے سوا

کوئی والی، کوئی نصیر نہیں تو اس آیتِ شریفہ میں اس دعا کے الفاظ غلط ہو جاتے ہیں۔ اور تناقض پیدا ہو جاتا ہے۔ تناقض اسی طرح رفع ہوتا ہے کہ پہلی آیت کا یہ معنی ہے کہ اللہ کے مقابل اللہ کو چھوڑ کر کوئی والی کوئی نصیر نہیں ہے اور دوسری آیت میں وہ ولی اور نصیر مراد ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے کمزور مسلمانوں کی امداد کے لیے مقرر فرما دے۔ حالانکہ وہ بھی غیر اللہ ہیں۔ اب تعارض رفع ہو گیا اور آیتِ کریمہ ام اتخذو من دون الله شفعاء میں اگر یہ معنی کیا جاوے کہ آیا بنا لیے انہوں نے اللہ کے بغیر شفیع، تو معنی بالکل غلط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شفیع مشفوع الیہ کا غیر ہوتا ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی ہوگا ضرور غیر اللہ کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے آپ کو سفارش نہیں کرتا اور جب یہ معنی کیا جاوے کہ کفار نے اللہ کے مقابل جو کہ اللہ تعالیٰ سے غلبہ اور زور سے بات منوانے والے ہیں۔ ان کے زعم میں ان کو شفیع بنا لیا تو معنی آیت کریمہ بالکل صحیح ہو جاتا ہے۔

اس تحقیق سے ولی اللہ اور ولی من دون اللہ میں فرق بین معلوم ہو جاتا ہے۔ ولی اللہ، اللہ کا دوست اللہ کا مقرب بندہ۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ **الا ان اولیاء الله لاخوف علیهم ولا هم یحزنون** ، اور ولی من دون اللہ کی دو صورتیں ہوں گی۔ ایک یہ کہ خدا کے دشمنوں کو دوست بنایا جاوے جیسے کہ کفار بتوں کو شیطان کو [کا] دوست بناتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ کسی اللہ کے دوست کو اللہ کے مقابل مددگار سمجھا جاوے کہ اللہ کے مقابلہ میں یہ ہماری امداد کریں گے اور اللہ کے عذاب سے چھڑا دیں گے۔ ولی اللہ کو ماننا عین ایمان اور ولی من دون اللہ کو ماننا کفر و شرک ہے۔ یہ کتنا ظلم ہے کہ من دون اللہ کا مصداق انبیاء و اولیاء کو بنایا جاتا ہے اور کتنا سخت مغالطہ عوام کو دیا جاتا ہے۔

پانچواں لفظ دعا، دعا کا لغوی معنی ''پکارنا'' ہے اور اصطلاحِ قرآنی میں پانچ معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ پکارنا ۲۔ بلانا ۳۔ مانگنا

۴۔ پوجنا ۵۔ آرزو کرنا

لا تجعلو دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا.

ترجمہ:۔نہ کروتم پکارنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو کہ یا فلاں!اس کا نام لے کر بلکہ حضرت کو اگر پکارنا ہو تو ادب سے پکارو۔کہو یا رسول اللہ!یا نبی اللہ!حضرت کا نام پاک پکارنے کے وقت ذکر نہ کرو۔یہاں دعا کا معنی پکارنا ہوا۔وادع الی سبیل ربک. بلاتو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!مخلوق خدا کو اپنے رب کے راستہ کی طرف۔یہاں معنی بلانا ہوا۔وادکبو فی الفلک دعوا اللہ،پس جس وقت کفار کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں اور خوف پیدا ہوتا ہے؛اللہ سے دعا کرتے ہیں اور نجات مانگتے ہیں۔یہاں معنی مانگنا ہوا،ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم. بے شک وہ جن کو تم،اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو تم جیسے بندے ہیں۔اللہ کے یہاں معنی پوجنا ہوا۔ولکم فیھا ماتشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون. تمھارے لیے بہشت میں وہ ایسا ہوں گی جو تمھارے نفس خواہش کریں گے اور تمھارے لیے بہشت میں ہوگی وہ چیز جس کی تمنا کرو گے۔یہاں معنی تمنا کرنا ہوا۔

مطلب یہ ہے کہ جن آیات میں غیر خدا کی،دعا کو شرک وکفر کہا گیا ہے اور اس پر جھڑکا گیا ہے وہاں دعا کا معنی عبادت کرنا پوجنا ہے۔ہر جگہ دعا کا معنی پوجنا نہیں ہے۔متبعین خوارج یہ کہتے ہیں کہ دعا کا معنی قرآنِ کریم میں ہر جگہ پکارنا ہے اور غیر اللہ کا پکارنا شرک ہے اور چونکہ اس سے لازم آجاتا ہے کہ کسی شخص کا کسی حاجت کے لیے یا بغیر حاجت کے کسی غیر اللہ کو پکارنا شرک ہو اور ناجائز ہو۔حالانکہ یہ خلاف عقل ونقل ہے خصوصاً آیت کریمہ کدعاء بعضکم بعضا.اس کے جواز کی بین دلیل ہے۔اس لیے ان حضرات کو ان آیات میں کئی من گھڑت قیود لگانے [کی] ضرورت محسوس ہوئی۔کبھی کہتے ہیں کہ غائب کو پکارنا کہتے ہیں کہ مردہ کو پکارنا کبھی کہتے ہیں دُور سے سننے کے لیے پکارنا کبھی کہتے ہیں کہ مافوق الاسباب سنانے کے لیے دور سے پکارنا؛اور کہتے ہیں کہ کسی غیر اللہ کا پکارنا اس کو رب ومعبود بنانا ہے۔اتنا خیال نہیں کرتے کہ جب پکارنا عبادت کرنا ہوا تو پھر ان قیود کی کیا ضرورت ہے۔عبادت غیر اللہ کی ہر حال میں شرک ہے اور یہ نہیں جانتے کہ قرآنِ کریم کے لفظ مطلق کو خبرِ واحد سے بھی مقید کرنا جائز نہیں ہوتا۔چہ جائیکہ من گھڑت قیود سے اپنے زعم فاسد کے درست کرنے کیلئے [کے لیے] مقید کرنا۔

☆☆☆☆☆☆☆

عبادت کے راز

علامہ بدیع الزمان نورسیؒ

یاد رکھو کہ عبادت ہی وہ چیز ہے جو کہ عقائد کو دل میں اس طرح سے مضبوط کر دیتی ہے کہ جس سے انسان سر سے لے کر پاؤں تک بندگی کے سراپے میں ڈھل جاتا ہے۔عبادت کا مطلب یہ ہے کہ جو کام کرنے کا حکم ہوا سے کیا جائے اور جس سے روکا گیا ہو اس سے رکا جائے۔اس لیے جتنے بھی کام عقل یا وجدان کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں وہ اگر بندگی کی زیر نگرانی پروان نہ چڑھیں تو ان کی تاثیر کمزور ہوتی ہے اور اثرات بھی دیر پا ثابت نہیں ہوتے ہیں ــــــ اسلام کی موجودہ صورت حال اس چیز کی گواہ ہے ــــــ یہ بات بھی یاد رکھو کہ بندگی ہی سے انسان دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کر سکتا ہے۔۔۔اِسی سے اِس زندگی میں اور مرنے کے بعد والی زندگی میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے۔۔۔اسی سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تکمیل ہوتی ہے۔۔۔بندگی انسان اور اس کے خالق، اور غلام اور اس کے مالک کے درمیان ایک انتہائی معزز نسبت کا نام ہے۔رہی یہ بات کہ یہ دنیا جو کہ آخرت کی کھیتی ہے، اس دنیا میں بندگی سے سعادت کیسے ملتی ہے، تو اس کے کئی پہلو ہیں:

ا۔ انسان کو ایک انتہائی لطیف اور عجیب و غریب مزاج دیا گیا ہے جس سے وہ تمام مخلوقات سے ایک علیحدہ اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے، اس مزاج کی وجہ سے اس میں اچھی بری چیز میں انتخاب کا رجحان پیدا ہوا ہے، وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے اور زیب و زینت کو پسند کرتا ہے، اور فطری طور پر یہ بات پسند کرتا ہے کہ ایسی با کمال زندگی گزارے جو انسانیت کے لائق ہو۔۔۔پھر اپنے انہی میلانات و رجحانات کی وجہ سے انسان اپنے کھانے پینے اور رہنے سہنے کی ضروریات کو پر لطف، پر سکون اور ہر طرح سے کامل اور مضبوط بنانے کے لیے مختلف قسم کی صنعت و حرفت کا محتاج ہوا۔لیکن ایک اکیلا انسان ہر فن مولا نہیں ہو سکتا اس لیے اپنے جیسے دیگر انسانوں

کے ساتھ میل جول رکھنے کا محتاج ہوا تا کہ سب مل جل کر باہمی تعاون سے زندگی کا پہیہ چلا سکیں اور پھر اپنی تگ ودو اور محنت مشقت کے ثمرات کا آپس میں باہمی تبادلہ کر لیں۔

لیکن اس صانع الحکیم نے چونکہ حیوانات کی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو تو ایک حد تک محدود کر دیا ہوا ہے، لیکن انسان کا معاملہ ایسا نہیں ہے؛ کیونکہ اس کی عقلی، شہوانی اور جذباتی قوتوں کو فطری طور پر کسی حد میں محدود نہیں کیا گیا ہے بلکہ اسے کلی طور پر اگرچہ نہیں لیکن جزوی طور پر کچھ اختیارات دے دیے گئے ہیں جن میں سپرنگ کی طرح لچک رکھ دی گئی ہے اور انسان انھیں کھینچ کر لمبا کر سکتا ہے، یعنی اپنی صلاحیتوں کو نشوونما دے کر ترقی کی مزید منزلیں طے کر سکتا ہے، اس لیے انسانوں کے درمیان انہماک، انتہائی مشغولیت اور حد سے گزر جانے کی فضا پیدا ہو گئی ہے۔۔۔

پھر اس کی قوتوں اور صلاحیتوں کی چونکہ حد بندی نہیں ہے اور اس بنا پر وہ بے اعتدالیوں، تجاوزوں اور حدود فراموشیوں کا ارتکاب کرتا ہے. اس لیے انسانی معاشرہ سعی و عمل کے ثمرات کو آپس میں منصفانہ تقسیم اور باہمی تبادلے کے لیے عدل وانصاف کا محتاج ہوا۔۔۔

پھر ہر انسان کی عقل چونکہ عدل وانصاف کا ادراک کرنے کے لیے کافی نہیں ہے، اس لیے انسانی معاشرہ اس ضمن میں ایک ایسی عقل کا محتاج ہوا جسے عقلِ کُلی کہا جائے اور جس سے عام آدمی کی عقل فائدہ اٹھا سکے۔ اور ایسی عقل کو دوسرے لفظوں میں قانونِ کلی کہا جاتا ہے، اور اسی چیز کا دوسرا نام شریعت ہے۔۔۔

پھر اس شریعت کو مؤثر بنانے اور اسے لاگو کرنے کے لیے ایک قانون ساز اور قانون دان ہونا چاہیے، ایک ایسی ہستی ہونی چاہیے جو اس شریعت کو دوسروں تک پہنچا سکے۔ ایسی ہستی کو صاحبِ شریعت یا اللہ کا نبی کہا جاتا ہے۔۔۔

پھر نبی نے چونکہ عقلوں، طبیعتوں اور تمام ظاہری اور باطنی حالتوں میں اپنی حاکمیت کے دائمی اور انمٹ نقوش چھوڑنے ہوتے ہیں، اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ اس کی ذات جسمانی وروحانی، سیرت وصورت اور خَلق وخُلق کے لحاظ سے امتیازی خصوصیات کی حامل ہو، اور پھر یہ کہ

اس کے پاس ایک ایسی دلیل ہو جو یہ بتائے کہ اس کے اور کائنات کے مالک کے درمیان انتہائی مضبوط اور شدید قسم کی مناسبت پائی جاتی ہے۔ اور اس دلیل کا نام معجزات ہے۔۔۔

پھر نبی نے چونکہ اوامر کی اطاعت کرنے اور نواہی سے اجتناب کرنے کی بنیادیں رکھنی ہوتی ہیں اس لیے اسے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ خالقِ کائنات اور مالکُ الملک کی عظمت کے تصور کو ذہنوں میں ہمیشہ کے لیے پختہ کر دے، اور اس چیز کو "عقائد" کی تجلی کہا جاتا ہے۔۔۔

پھر اس تصور کو دوام دینے اور عقائد کو ذہنوں میں راسخ کرنے کے لیے اسے ایک ایسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے جو اس تصور کی بار بار یاد دہانی کراتی رہے اور اس عمل کی تجدید کرتی رہے، اور اس بار بار کی یاد دہانی کا نام "عبادت" ہے۔

۲۔ عبادت کا مقصود و مدعا یہ ہے کہ تمام افکار کا رخ اس صانع الحکیم کی طرف کر دیا جائے. اور اس کام سے مقصود یہ ہے کہ تسلیم و رضا کی بنیاد رکھی جا سکے۔ اور تسلیم و رضا سے مقصود یہ ہے کہ کائنات میں پائے جانے والے انتہائی مکمل نظم و ضبط اور حسن انتظام کے ساتھ گہرا رشتہ جڑ جائے۔ اور اس نظم و ضبط کے ساتھ وابستگی سے مقصود یہ ہے کہ کائنات میں پائی جانے والی حکمت کا راز مل جائے۔ اور یہ بات کہ کائنات کی تخلیق اور نظم و انتظام میں حکمت پائی جاتی ہے، اس بات کی سب سے بڑی گواہی یہ ہے کہ کائنات کی بناوٹ میں انتہائی پختگی اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

۳۔ بے شک انسان ایک ایسے درخت کی طرح ہے جس کی چوٹی پر برقی آلات کی بہت سی لائینیں لٹکا دی گئی ہوں۔ انسان کے سر پر تخلیق کے تمام نظاموں کے سرے لپٹے ہوئے ہیں، اور ان میں قوانین فطرت پھیلے ہوئے ہیں اور کائنات میں چلنے والے تمام الٰہی دستوروں ضابطوں کی شعاعیں ان لائنوں میں منعکس ہو رہی ہیں اور یہ ان شعاعوں کا مرکز بن گئی ہیں۔ اس لیے انسان پر یہ بات لازم ہے کہ وہ ان قوانین کی تکمیل کرے، ان کے ساتھ خود کو وابستہ کر لے اور مضبوطی کے ساتھ ان کا دامن پکڑ لے تا کہ اس کی زندگی کا سفر ہر طرح سے جاری و ساری رہے، کہیں اس کا پاؤں نہ پھسلے، وہ کہیں دھتکارا نہ جائے اور اوپر تلے چلنے والے زندگی کے پہیوں سے

کہیں نیچے نہ گر پڑے۔۔۔اور یہ چیز صرف عبادت ہی سے ممکن ہے، عبادت جو کہ احکام کو بجا لانے اور منع کردہ چیزوں سے رُک جانے کا نام ہے۔

۴۔ انسان جب اوامر پر عمل کرتا ہے اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے تو اسے معاشرے میں بہت سے مراتب میں کئی قسم کی نسبتیں حاصل ہو جاتی ہیں، جن کی بنا پر فرد واحد ایک نوع کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے؛ اس کی وجہ یہ کہ بہت سے اوامر ___ اور خاص کر وہ اوامر جن کا عمومی مصلحتوں کے ساتھ گہرا تعلق ہے ___ اس دھاگے کی طرح ہیں جس کے ساتھ بہت سے معاملات باندھ دیے گئے ہوں اور جس میں بہت سے حقوق پرو دیے گئے ہوں، اور اگر وہ دھاگا نہ ہو تو تمام حقوق و معاملات پارہ پارہ ہو کر ختم ہو جائیں۔

۵۔ ایک مسلمان آدمی کو تمام دیگر مسلمانوں کے ساتھ پختہ نسبتیں اور قوی تعلقات حاصل ہوتے ہیں۔؛ اور یہ دونوں چیزیں ایمانی عقائد اور اسلامی خصوصیات کی بنا پر پائدار اخوت اور حقیقی محبت کا سبب ہیں۔ لیکن ان عقائد کا ظہور، ان کی نشو و نما اور ان کی مضبوطی اور پائداری صرف عبادت کی مرہونِ منت ہے۔

رہا ذاتی کمال کا پہلو:

تو اس بارے میں یاد رکھیں کہ انسان باوجود اس کے کہ چھوٹا سا جسم رکھتا ہے، کمزور ہے، عاجز ہے اور عام جانداروں میں سے ایک جاندار ہے۔ اس کے باوجود کہ وہ ایک انتہائی قیمتی روح اور مکمل استعداد کا مالک ہے، اس کے باطن میں بے شمار جذبات و میلانات پلتے ہیں، بے انتہا امیدیں بسیرا رکھتی ہیں، لامحدود افکار براجمان ہیں اور بے حد و حساب قوتیں اور صلاحیتیں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ وہ ایسی عجیب و غریب فطرت کا مالک ہے کہ گویا وہ تمام قسم کی مخلوقات اور تمام کائناتوں کی مجموعی فہرست ہے۔ پس عبادت ہی اس کی روح کے لیے خوشیوں کا سامان ہے اور عبادت ہی اس کی قدر و قیمت کو جلا بخشتی ہے۔۔۔ اور عبادت ہی اس کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کا انکشاف کرتی ہے اور انھیں نشو و نما دیتی ہے تا کہ وہ ابدی سعادتوں سے

ہمکنار ہو جائے۔۔۔اور عبادت ہی اس کے میلانات ورجحانات کی تہذیب وشائستگی کا ذریعہ ہے۔۔۔عبادت ہی اس کی امیدوں کو برلانے اور انھیں بارآور کرنے کا وسیلہ ہے۔۔۔عبادت ہی اس کے آراء وافکار کو منظم کرنے کا واسطہ ہے۔۔۔عبادت ہی اس کی قوتوں کی حد بندی کرنے اور ان کو لگام دینے کا سبب ہے۔۔۔عبادت ہی وہ پالش ہے جو اس کے مادی اور روحانی اعضاء پر لگ جانے والے نیچر کے زنگ کو صاف کر کے انھیں چمکا دیتی ہے،اور پھر یہ اعضاء صاف شفاف ہو کر ایک دوسری طرح کی دنیا کی طرف کھلنے والی کھڑکی بن جاتے ہیں۔۔۔

عبادت ہی وہ چیز ہے کہ جب عقل ووجدان اور جسم وجان کے ساتھ کی جائے تو وہ انسان کو اس کے شایانِ شان شرف وکمال تک پہنچا دیتی ہے۔۔۔اور عبادت ہی عبد ومعبود کے درمیان انتہائی لطیف اور بلند نسبت اور بیش قیمت مناسبت کا حکم رکھتی ہے،اور یہی نسبت بشری کمالات کا آخری مرتبہ ہے۔

پھر عبادت میں اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ:تم اسے اس لیے کرو کہ اسے کرنے کا حکم ہے،یہ علیحدہ بات ہے کہ اگرچہ ہر حکم میں بے شمار حکمتیں پائی جاتی ہیں اور ان میں سے ہر حکمت فرمانبرداری اور حکم کی بجا آوری کی علّت بن سکتی ہے،لیکن آپ نے حکم میں پائی جانے والی حکمت کو نہیں دیکھنا ہے بلکہ صرف حکم کو حکم سمجھ کر اس پر عمل کرنا ہے۔یہ بات البتہ ہے کہ اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ علت ہی حکم ہو۔یاد رہے کہ اگر حکمت عبادت کی ''علت'' ہوگئی تو عبادت باطل ہوگی۔لیکن اگر عبادت کے ضمن میں حکمت کا پلڑا بھاری رہا یعنی اسے زیادہ مدِّ نظر رکھا گیا تو یہ چیز جائز ہے۔

حضرت مولانا زین الحق والدینؒ معروف بہ زینت الاولیاء کے 143 ویں سالانہ
عرس پاک کی محفل کا روح پرور منظر۔ (مکھڈ شریف، اٹک)

خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا سراج الدینؒ انجروی۔ انجرا، تحصیل جنڈ، ضلع اٹک